Fikr-o-Nasar (Islamabad) 43:3 (2006)

فکر و نظر............ اسلام آباد   جلد: ۴۳   شمارہ: ۳

مخطوطاتِ مدینۂ منوّرہ

(برّ صغیر کے مصنّفین کی تصانیف اور فارسی کے چند منتخب مخطوطات کا اجمالی تذکرہ)

ڈاکٹر عارف نوشاہی☆

۱۵ جمادی الثانی-۱۶ رجب ۱۴۲۶ھ/۲۱ جولائی-۲۱ اگست ۲۰۰۵ء کو سعودی عرب میں قیام کا موقع ملا[۱]۔ سفر کی غرض و غایت عمرہ ادا کرنا تھا۔ ۱۸ دن حرم مکّی میں اور ۱۳ دن حرم مدنی میں گذرے۔ سفر کا اصل مقصد زیادہ سے زیادہ وقت حرمین شریفین میں رہ کر اپنے بہرۂ نصیب کے مطابق برکاتِ الٰہی حاصل کرنا تھا۔ انسان حاضری کی اپنی سی کوشش کرتا ہے اور ساتھ ہی اس کی قبولیت کے لیے خدا کے حضور التجا بھی کرتاہے۔ خدا کرے یہ حاضری اپنی نیّت کے مطابق قبول ہوئی ہو۔

پاکستان سے چلتے وقت یہ ارادہ تھا کہ اگر مدینۂ منوّرہ میں قیام کے دوران مناسب وقت ملا تو ایک روز مکتبہ ملک عبدالعزیز جاکر **معدن الدرر فی سیرۃ الشیخ حاجی عمر** کا مخطوطہ بھی دیکھوں گا۔ چار سال قبل جب ڈاکٹر معین نظامی صاحب کے اشتراک سے ذخیرۂ چلبی عبداللہ افندی، کتب خانۂ سلیمانیہ، استنبول، شمارہ ۳۰۲ کے نسخے کی بنیاد پر اس کتاب کی تدوین و تصحیح کا آغاز کیا تو معلوم ہوا کہ مدینۂ منوّرہ میں ایک فارسی مخطوطہ ایسا موجود ہے جس کا موضوع اور مصنّف کا نام ہماری کتاب کے موضوع اور مصنّف کے نام سے ملتا جلتاہے۔ میں نے سعودی عرب میں مقیم اپنے ایک عزیز شاہ نواز نوشاہی کی وساطت سے اس کا عکس حاصل کرنے کی کوشش کی جو کام یاب نہ ہوسکی اور ۲۰۰۴ء میں تہران سے **معدن الدرر** مدینۂ منوّرہ کا نسخہ دیکھے بغیر ہی شائع ہوگئی۔ اس کی روداد میں نے طبع تہران میں اپنے مقدّمہ کے صفحہ تیس اور اکاون پر لکھی ہے۔ وہاں میں نے یہ بھی لکھا تھا کہ اس مخطوطہ کے بارے میں قطعیّت سے رائے قائم کرنے کے لیے کہ یہ **معدن الدرر** ہی ہے، اس کا دیکھنا ضروری ہے۔ اب جب خود مدینۂ منوّرہ پہنچا تو میرے لیے ایک موقع تھا کہ کتب خانہ جاکر اسے دیکھوں اور کسی نتیجے پر پہنچوں۔ ۲ اگست کو ایک دو آدمیوں سے پوچھ تاچھ کرتا ہوا مکتبہ ملک عبد العزیز کی عمارت میں پہنچ گیا۔ میں **معدن الدرر** کا مطبوعہ نسخہ (تہران) اپنے ساتھ لے گیا تھا۔ اپنی ایک اور تصنیف **کتاب شناسی توصیفی فہرست ہای نسخہ ہای خطی پاکستان و بنگلادش** بھی تقریبِ ملاقات کے لیے ساتھ رکھ

* ادارۂ معارف نوشاہیہ، ۶۹ ماڈل ٹاون، ہمک، اسلام آباد؛ anaushahi_2000@yahoo.com

© Dr Muhammad Hamidullah Library, IIU, Islamabad.   http://iri.iiu.edu.pk/

لی اور دونوں کتابیں مکتبہ کے مدیر عام کو پیش کیں اور ان سے ذخیرۂ عارف حکمت کے مخطوطات دیکھنے کی درخواست کی جہاں میرا مطلوبہ نسخہ موجود ہے۔ انہوں نے ذخیرۂ عارف حکمت کی طرف راہ نمائی کی۔ وہاں کے کتاب دار سے ملا اور مخطوطات کے رجسٹر سے مخطوطہ کا طلب نمبر (**Call.No.**) لے کر کتاب دار کو دیا۔ کتاب دار نے جھٹ نسخہ لا کر میرے سامنے رکھ دیا۔ نسخہ دیکھا تو اسی شخصیت کا تذکرہ پایا جس کے حالات پر **معدن الدرر** لکھی گئی ہے، لیکن اختصار کے ساتھ۔ جب اطمینان ہو گیا کہ یہ **معدن الدرر** ہی سے مشابہ تذکرہ ہے تو کتاب دار سے اس کے عکس کے لیے درخواست کی۔ انہوں نے ایک فارم دیا، وہ بھرا۔ کتاب دار نے عکس کے اخراجات کا تخمینہ ۶۱ ریال (تقریبا ۹۷۶ روپے) لگا کر عکس بنانے کی سفارش کر دی اور منظوری اور رقم ادا کرنے کے لیے مدیر عام کے پاس بھیجا، جن سے میں صبح کے وقت مل چکا تھا۔ مدیر عام نے لحاظ کرتے ہوے ۱۱ ریال کی تخفیف کردی اور ۵۰ ریال وصول کرکے عکس بنوانے کی اجازت دے دی۔ مجھے انتظار کرنے کے لیے کہا گیا۔ آدھے گھنٹے بعد نہایت صاف ستھری فوٹو کاپی تیار ہو گئی اور میں جس مقصد کے لیے مکتبۂ ملک عبدالعزیز گیا تھا وہ پورا ہو گیا۔ یہ سارا کام بغیر کسی سابقہ تعارف، سفارش ، تعارفی خط یاشناختی دستاویز کی طلبی کے، اس قدر خوش اسلوبی اور تیزی سے انجام پایا کہ میں دل ہی دل میں مکتبہ کے کارپردازوں کے حسن انتظام اور رجوع کرنے والوں کے بارے میں حسن ظن رکھنے کی داد دیے بغیر نہ رہ سکا۔ مجھے پاکستان، ایران اور ہندوستان کے کُتب خانوں سے مخطوطات کی عکسی نقلیں بنوانے کا جو تلخ تجربہ رہا ہے اور ان ممالک میں بعض کتاب داروں کا جو حوصلہ شکن روّیہ دیکھا ہے ،اس بناء پر اب ضرورت اور طلب کے باوجود بعض کتب خانوں کا رخ کرنے کی ہمّت نہیں ہوتی۔ مکتبۂ ملک عبدالعزیز کے کارپردازوں کے اس علم پرور حسن سلوک سے متاثر ہوکر میں نے فیصلہ کیا کہ اپنے آرام کے اوقات کو خیر باد کہہ کر مدینۂ منوّرہ میں قیام کے دوران آیندہ دنوں میں بھی مکتبہ جاتا رہوں گا اور وہاں مزید مخطوطات دیکھوں گا۔ لیکن بعد کا تجربہ کوئی زیادہ خوشگوار نہ تھا۔ مکتبہ کا کام دو نوبت میں ہوتا ہے۔ پہلی نوبت صبح آٹھ بجے سے سہ پہر دو بجے تک اور دوسری نوبت بعد از عصر پانچ بجے سے شب دس بجے تک۔ دونوں باریوں کا عملہ الگ الگ ہے۔ مجھے صبح کی نوبت میں وہاں جانے کی سہولت تھی کہ ظہر کی نماز تک چار گھنٹے اس کام کے لیے کافی تھے۔ میں تین دن لگاتار صبح وہاں جاتا رہا اور ہرروز دو چار مخطوطات دیکھ کر ضروری یادداشتیں تیار کرتا رہا۔ تیسرے دن ایک ہندوستانی مصنّف کا سفرنامہ **سیرالبلاد خادم** سامنے آیا۔ یہ ایسا نادر اور دل چسپ تھا کہ پورا وقت اسے پڑھنے اور یادداشتیں لینے میں صرف ہو گیا۔ کتاب دار بھی یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ وہ میرے پاس آیا اور کہا کہ یادداشت لینے کی

بجاے اس کا عکس بنوا لو، اس طرح تمہارا وقت بچ جاے گا۔ تجویز معقول تھی لیکن فی ورق عکس کی قیمت ڈیڑھ ریال (تقریبا بائیس روپے پاکستانی) کے پیش نظر اتنی ضخیم کتاب کا عکس بنوانا میرے بس میں نہ تھا اور میں نے وہاں بیٹھ کر اس سے ضروری اقتباسات لینا ہی مناسب سمجھا۔ جب چوتھے روز صبح وہاں پہنچا اور مخطوطہ طلب کیا تو کتاب دار نے صاف انکار کردیا اور کہا: ''اس طرح یہاں بیٹھ کر مخطوطہ نقل کرنا ''حرام'' ہے (اس نے یہی لفظ استعمال کیا تھا)،اس سے مخطوطے کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے ،اگر تم برٹش میوزیم جاؤ تو وہاں بھی ازروئے احتیاط پڑھنے کے لیے تمھیں اصل مخطوطہ کی بجائے اس کی مائیکروفلم یا عکس ہی دیں گے''۔کتاب دار کی یہ حُجت-جو شاید کسی حدّ تک صحیح تھی-سن کر میں کچھ کہے سُنے بغیر، آزردہ دل ہو کر وہاں سے اُٹھ کھڑا ہوا اورنچلی منزل پر عمومی شعبۂ مخطوطات میں چلا گیا اور مختلف رجسٹروں سے مطلوبہ مخطوطات کے کوائف لے کر ان میں سے دو مخطوطات کے طلب نمبر کتاب دار کو دیے۔ اس نے بھی مجھ سے کسی قسم کی ذاتی شناخت طلب کیے بغیر فورا دونوں مخطوطات نکال کر سامنے رکھ دیے جو میں نے دیکھ کر اور ضروری یادداشت تیار کرکے فورا واپس لوٹا دیے اور کتاب دار سے مزید دو مخطوطات طلب کیے۔ اس پر کتاب دار نے کہا کہ ایک وقت میں کسی رجوع کرنے والے کے لیے ایک ہی دفعہ ذخیرۂ مخطوطات میں جاکر مخطوطہ نکالا جاتاہے، دوسری دفعہ کا تقاضا پورا نہیں کیا جاتا۔ اس قسم کی پابندیوں کے باوجود میری خواہش تھی کہ میں کم ازکم وہ مخطوطات ضرور دیکھ لوں جن کے نام رجسٹر سے نقل کیے ہیں۔ اس کے لیے میں نے یہ حکمتِ عملی اپنائی کہ عارف حکمت کے ذخیرے میں شام کی نوبت میں جا کر بقیہ مخطوطات دیکھے جائیں کیوں کہ شام کی نوبت کا کتاب دار ماجدالعوفی کھلے دل کا مالک اور تعاون کرنے والا نوجوان تھا۔ میں نے ایک نشست میں چھ چھ مخطوطات بھی طلب کیے تو اس نے سب لا کر دکھائے اور کسی قسم کی ناگواری کا اظہار نہیں کیا بلکہ دوران مطالعہ مجھ سے پاکستان کے بارے میں اچھی اچھی باتیں کرکے میری دلجوئی بھی کرتا۔ عمومی ذخیرۂ مخطوطات میں دو مخطوطات صبح کے وقت اور دو مخطوطات شام کے وقت دیکھ لیتا۔ لیکن وہاں بھی ۹ اگست کو کاؤنٹر پر موجود آدمی نے کہہ دیاکہ تم روزانہ یہاں آکر مخطوطات دیکھتے ہو، آیندہ سے ہم مخطوطات دکھانے سے معذور ہیں۔ لہذا اس کے بعد میں نے عمومی ذخیرے سے مخطوطات دیکھنا بھی ترک کر دیا۔ دوسری دفعہ مخطوطہ نکال کرلانے پر پابندی کو میں نہیں سمجھ سکا، حالاں کہ جتنے دن صبح و شام میں شعبۂ مخطوطات میں جاتا رہا وہاںمیرے علاوہ مخطوطات دیکھنے کے لیے کسی کورجوع کرتے نہیں دیکھا جس سے یہ قیاس کر سکوں کہ کتاب داروں پر کام کا بوجھ ہے! یہ پابندی کتب خانہ کے ضوابطِ کار کا حصہ بھی معلوم نہیں ہوتی تھی ، اگر ایسا تھا تو مکتبۂ عارف حکمت

کا شام کی نوبت کا کتاب دار بھی وہی عذر کرتا جو صبح کی نوبت کے کتاب دار کرتے تھے۔ میرے خیال میں یہ سب ذاتی رویّے اور شخصی اخلاق کے مظاہرے تھے جو ہم مشرقی کتب خانوں میں ہر جگہ دیکھتے ہیں اور اپنی شدید علمی ضرورت کے تحت برداشت کر لیتے ہیں۔ محققین اور طالب علموں کے کتنے ہی علمی منصوبے محض کتاب داروں کی تنگ نظری، خسّت، تہذیبی شعور کی کمی اور تساہل کی وجہ سے ناقص رہ جاتے ہیں۔ لیکن سچی بات تو یہ ہے کہ اپنے محدود وقت اور کتاب داروں کی طرف سے عائد پابندیوں کے باوجود میں نے سات مختلف نشستوں میں مکتبۂ ملک عبدالعزیز کے کئی اہم مخطوطات دیکھ لیے اور ضروری یادداشتیں تیار کر لیں۔ یہ سب کچھ مکتبہ کے کتاب داروں کے تعاون سے ہی ممکن ہوا جس کی سپاس گزاری بہرحال واجب ہے۔ پہلے روز جب میں مکتبہ گیا تھا تو میرا مقصد صرف **معدن الدرر** کا نسخہ دیکھنا تھا، اس کے بعد میں نے ترجیحات مقرر کر کے نسخے دیکھے تاکہ محدود وقت سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھایا جا سکے۔ میری ترجیحات یہ تھیں:

۱۔ برّصغیر کے مصنّفین کے اہم مخطوطات؛

۲۔ کتابت کے اعتبار سے قدیم مخطوطات؛

۳۔ گزشتہ چند سالوں میں مَیں نے جن موضوعات پر کام کیا ہے ان سے متعلق دستیاب مخطوطات بغرضِ تکمیلِ تحقیق۔

یہ بھی بتاتا چلوں کہ میں فارسی زبان و ادب کا طالب علم ہوں اور میں نے جو مخطوطات دیکھے وہ سب کے سب فارسی تھے، سوائے چند ایک کے جو عربی میں ہیں اور ان کی صراحت کر دی گئی ہے۔

مکتبۂ ملک عبد العزیز

مکتبۂ ملک عبد العزیز شارع المناخۃ پر مسجد نبوی شریف سے متصل غربی جانب واقع ہے یعنی اگر آپ مسجد نبوی کے احاطے سے کسی بھی مغربی دروازے سے نکلیں تو حرم نبوی کے باہر پہلی سڑک شارع المناخۃ ہے۔ اس پر واقع کتب خانہ کی شان دار چار منزلہ عمارت اپنی پیشانی پر سبز رنگ میں جلی حروف سے لکھے نام کے باعث دور سے پہچانی جاسکتی ہے۔ یہ مدینۂ منوّرہ کے بڑے کتب خانوں میں سے ایک ہے اور حکومت سعودی عرب کی وزارت الشؤون الاسلامیۃ و الاوقاف و الدعوۃ والارشاد کے تحت وکالۃ الوزارۃ لشؤون الاوقاف کی نگرانی میں کام کرتا ہے۔ اس کا سنگ بنیاد شاہ فیصل بن عبد العزیز آل سعود نے ۳ محرم ۱۳۹۳ھ / ۷ فروری ۱۹۷۳ء کو رکھا تھا اور افتتاح خادم الحرمین الشریفین شاہ فہد بن عبدالعزیز آل سعود نے ۱۶ محرم ۱۴۰۳ھ / ۲ نومبر ۱۹۸۲ء کو کیا۔ اس کے دس شعبے ہیں جن میں

سے شعبۂ مخطوطات مزید تین شعبوں پر مشتمل ہے۔ زمینی منزل پر عام شعبۂ مخطوطات قائم ہے، پہلی منزل پر مکتبہ المصحف الشریف اور مکتبۂ شیخ عارف حکمت قائم ہیں۔ عام شعبہ میں۱۳۰۰۰ مخطوطات اور مکتبۂ شیخ عارف حکمت میں ۸۰۰۰ مخطوطات ہیں۔ مکتبہ المصحف الشریف میں ۱۸۷۸ قلمی اور ۸۴ عکسی قرآن مجید موجود ہیں۔ مکتبہ المصحف الشریف میں مجھے مدیر عام نے ساتھ لے جا کر شیشے کے شوکیسوں میں رکھے مصاحف کریم دکھائے۔مصحف کا قدیم ترین نسخہ ہرن کی کھال پر علی بن محمد البطلیوسی کا ۴۸۸ھ میں لکھا ہوا ہے۔ یہاں قرآن کریم کا ۸۰x۱۴۲ سنٹی میٹر تقطیع کا ۱۵۴ کلو گرام وزنی نسخہ بھی دیکھا۔ اس کا سال کتابت ۱۲۴۰ھ ہے۔ اتفاق سے اس کے کاتب غلام محی الدین کا تعلق برّصغیر سے ہے جیسا کہ سامنے کھلے صفحات کا اسلوب خط دیکھ کر اندازہ ہوا، آیات کے بین السطور فارسی ترجمہ بھی ہے۔ میں نے مدیر عام سے درخواست کی کہ وہ اس کا آخری صفحہ کھول کر دکھائیں تا کہ میں ترقیمے کی پوری عبارت نقل کر سکوں۔ مدیر نے بجا طور پر عذر پیش کیا کہ نسخہ اتنا وزنی ہے کہ وہ اسے کھول نہیں سکتے۔

مکتبۂ ملک عبد العزیز میں ۳۲ چھوٹے بڑے ذخائرِ مخطوطات موجود ہیں۔بعض اہم ذخائر مخطوطات یہ ہیں:

۱۔ مکتبہ شیخ عارف حکمت
۲۔ مکتبہ شیخ ابراہیم الختنی
۳۔ مکتبہ مدرسۃ القازانیہ
۴۔ مکتبہ المدینہ المنوّرہ العامہ
۵۔ مکتبہ مدرسۃ العرفانیہ
۶۔ مکتبہ الجبرت
۷۔ مکتبہ مدرسۃ الاحسانیہ
۸۔ مکتبہ الساقزلی
۹۔ مکتبہ شیخ عمر حمدان
۱۰۔ مکتبہ آل صافی
۱۱۔ مکتبہ کیلی ناظری
۱۲۔ مکتبہ مدرسہ قرۃ باش

۱۳۔ مکتبہ رباط سیدنا عثمان بن عفانؓ

۱۴۔ مکتبہ شیخ عبدالقادر شلبی

۱۵۔ مکتبہ شیخ محمد نور کتبی

۱۶۔ مکتبہ محمودیہ

۱۷۔ مکتبہ بشیر آغا

۱۸۔ مکتبہ الشفاء

ان ذخائر کی مشترکہ فہرست (Union Catalogue) کا سافٹ ویر موجود ہے اور لائبریری میں رکھے کمپیوٹروں سے مدد لی جا سکتی ہے۔ نیز کتب خانے میں بڑے بڑے رجسٹر اور لائبریری کارڈز بھی موجود ہیں جن پر مخطوطات کے کوائف ٹاپ شدہ ہیں۔ حسب ذیل مطبوعہ فہارس بھی دستیاب ہیں:

۱۔ **فہرس مخطوطات الحدیث الشریف و علومہ فی مکتبہ الملک عبد العزیز بالمدینہ المنورہ**، اعداد: عمار بن سعید تمالت؛ مراجعۃ: الدکتور عبدالرحمٰن بن سلیمان المزینی، ناشر: مکتبۃ الملک عبد العزیز، مدینہ منورہ، ۱۴۲۳ھ/ ۲۰۰۲ء، ۳۲۷ صفحات۔

۲۔ **مخطوطات مکتبہ بشیر آغا بالمدینہ المنورہ: فہرس وصفی**، باشراف: دکتور عبدالباسط بدر، دکتور مصطفیٰ عمار منلا، مراجعۃ: دکتور محمد یعقوب ترکستانی، دکتور احمد محمد الخراط، ناشر: مرکز بحوث و دراسات المدینہ المنوّرہ، ۱۴۲۱ھ / ۲۰۰۱ء، ۸۱۱ صفحات۔اس فہرست میں عربی، فارسی اور ترکی زبانوں کے مخطوطات شامل ہیں[۲]۔

خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ نے بھی اسلامک یونی ورسٹی، مدینہ منوّرہ میں موجود مخطوطات کی فہرستوں سے متعلق ایک کتابیات شائع کی تھی، جس کا عنوان یہ ہے: **الفہرست لفہارس المخطوطات المخزونہ فی الجامعۃ الاسلامیۃ بالمدینۃ المنوّرہ**، ۱۹۹۶ء، ۴۲ صفحات۔

یہاں بہار شریف، بھارت کے سہ ماہی **مخدوم**، شمارہ ۳، [۲۰۰۳ء] میں سید نعیم حامد علی الحامد کے شائع ہونے والے ایک مضمون ''مدینۂ منوّرہ کے کتب خانوں کے بعض جواہر پارے'' (ص۱۳۳-۱۳۷) کا ذکر بھی ضروری ہے۔ اس مضمون میں تین فارسی مخطوطات (**دیوان والۂ داغستانی، خریطۂ جواہر مظہر جان جانان، دیوان شیخ خالد نقشبندی مجدّدی**) کا ذکر ہوا ہے۔ مضمون نگار نے سارا زور مصنّفین کے حالات پر صرف کر دیا ہے جو سب کو پہلے ہی سے معلوم ہیں لیکن یہ نہیں بتایا ہے کہ یہ تینوں مخطوطات مدینۂ منوّرہ کے کس کتب خانے میں موجود ہیں۔ نہ ہی ان کے کسی قسم کے کوائف درج کیے ہیں۔

اس مضمون کے ابتدائیہ سے یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ مضمون نگار نے اس سے پہلے مدینۂ منوّرہ کے قدیم اور شخصی کتب خانوں میں مرزا عبدالقادر بیدل (۱۰۵۴۔۱۱۳۳ھ) کی تصانیف کے مخطوطات کا جائزہ بھی لیا تھا۔

اس سے پہلے کہ شیخ عارف حکمت کے ذخیرے کا تعارف لکھا جاے،ایک دو متفرق چیزوں کا ذکر دل چسپی سے خالی نہ ہوگا جو مکتبۂ ملک عبدالعزیز میں نظر آئیں:

مکتبہ کے عام ذخیرۂ مخظوطات کے کتاب دار نچلی منزل پر بیٹھتے ہیں، جب میں انھیں کسی مخطوطہ کا طلب نمبر(**Call No.**) دیتا تو وہ ذخیرۂ مخطوطات سے نسخہ اپنے سر پر رکھ کر لاتے۔ یہ منظر مجھے بہت بھلا لگتا۔ غالبا یہ کتاب کے احترام کے لیے تھا۔

مکتبہ شیخ عارف حکمت کے دروازے کے آگے فرش پر پیتل سے بنی ہوئی بڑی جسامت کی گھنٹی نما ایک چیز رکھی تھی، جس کے کناروں پر فارسی کا یہ شعر کندہ ہے:

غنی [کذا] حضرت لولاک لولاک
''مقام جنت فردوس'' تاریخ

مصرع اولی میں پہلا لفظ جسے میں نے قیاساً ''غنی'' پڑھا ہے کچھ اس طرح کندہ ہے''عبی''۔ مصرع ثانی میں مادّۂ تاریخ ''مقام جنت فردوس'' سے ۹۸۳ برآمد ہوتا ہے۔ اسی جسامت اور اسی طرح کی دو اور اشیاء نچلی منزل پر بھی سیڑھیوں کے ساتھ رکھی ہیں ۔وہاں ان میں بڑے قُطر کی موم بتیاں بھی رکھی ہوئی تھیں، جس سے مجھے یہ قیاس ہوا کہ یہ پرانے تاریخی شمع دان ہیں جنہیں سجاوٹ کے لیے یہاں رکھ دیا گیاہے۔

یہاں سبز رنگ کے دو بڑے منقّش کپڑے شیشے کے فریموں میں محفوظ دیواروں پر آویزاں دیکھے۔ممکن ہے یہ روضۂ رسول کے پرانے غلاف ہوں۔

مکتبہ مصحف شریف میں خطاطوں کی جلی قلم میں وصلیاں بھی دیکھیں جو قرآنی آیات پر مشتمل ہیں۔ممکن ہے انھی وصلیوں کو مسجد نبوی کی چھت اور دیواروں پر آیات نقش کرنے کے لیے استعمال کیا گیا ہو۔ ان سب چیزوں کی اصلیت کی تصدیق مَیں وہاں کسی سے نہیں کر سکا۔

مکتبۂ شیخ عارف حکمت

مکتبۂ ملک عبد العزیز کا اہم ترین ذخیرۂ کتب شیخ عارف حکمت کا وقف کردہ ہے۔ یہ ایک الگ

کشادہ کمرے میں محفوظ ہے جو مکتبۂ ملک عبد العزیز میں زمینی منزل سے سیڑھیاں چڑھتے ہوے پہلی منزل پر بائیں ہاتھ پر ہے۔ مکتبۂ شیخ عارف حکمت ۱۲۷۰ھ میں قائم ہوا۔ اس کے بانی احمد عارف حکمت بن ابراہیم بن عصمت بن اسماعیل رائف پاشا حسینی کا اصل وطن ترکی تھا۔ وہیں ۱۲۰۱ھ میں پیدا ہوے۔ قدس شریف، مصر اور مدینۂ منوّرہ کی قضا پر مامور رہے۔ ۱۲۶۲ھ میں آستانہ کے مقام پر وہاں کے شیخ الاسلام مقرر ہوے اور ۱۲۷۰ھ تک اس عہدے پر کام کرتے رہے۔ وہیں ۱۲۷۵ھ/۱۸۵۸ء میں انتقال کیا۔ ان کی تصانیف میں **الاحکام المرعیۃ فی الاراضی الامیریۃ** (عربی)، **تکملۂ کشف الظنون** اور عربی، فارسی و ترکی اشعار کا دیوان (مطبوعہ) موجود ہیں۔ ان کے حالات اسماعیل پاشا بغدادی کی **ھدیہ العارفین**[۳] اور زرکلی کی **الاعلام**[۴] میں دیکھے جا سکتے ہیں۔ زرکلی نے ان کے حالات پر شہاب محمود الوسی کی کتاب **شھیّ النغم فی ترجمۃ عارف الحکم** (قلمی) کا ذکر کیا ہے۔ کتاب کے اس نام میں شیخ کا نام عارف حکم لکھا ہے حالاں کہ وہ خوداپنا نام تاء مبسوطہ کے ساتھ ''عارف حکمت'' لکھتے تھے۔ زرکلی کا کہنا ہے کہ انھوں نے مدینہ منوّرہ میں شیخ کی وقف کردہ کتابوں پر ثبت مہر میں ان کا نام ''احمد عارف حکمۃ اللہ'' دیکھا ہے۔ راقم السطور کو خوش قسمتی سے انھی کے ذخیرے میں محفوظ ایک ہندوستانی مصنّف سید امام بخش خادمؔ عظیم آبادی کے سفر نامہ **سیرالبلاد خادم** سے۔ جس کا ذکر آگے چل کر آے گا۔ عارف حکمت کے خود نوشت حالات مل گئے۔ شیخ عارف حکمت نے یہ حالات خادمؔ عظیم آبادی کو ۱۲۳۴ھ میں اس کے سفر حج کے موقع پر لکھ کر دیے اور اس نے اپنی کتاب میں محفوظ کر لیے۔ جو تیّمناً یہاں لکھے جاتے ہیں۔ قابل توجہ بات یہ ہے کہ شیخ عارف حکمت کی عمر اس وقت ۳۳ سال تھی اور ان کی علمی شہرت پھیل چکی تھی۔ **سیرالبلاد خادم** کی عبارت یہ ہے:

''در سفر ہذا بعد حصول نمودن سعادت حج بوسیلۂ کتاب فروشی از خلاصۂ خاندان مصطفیٰ... ملاقات گردید... عرض نمودم کہ از اسم مبارک وتخلص عالی سرفراز فرمایند۔ از اینجا عبارت آنجناب است:

السید احمد عارف المتخلص بالحکمت در بلدۂ اسلامبول در شب بیست و ہفتم محرّم الحرام ۱۲۰۱ یک ہزار و دو صد و یک ہجری تولد یافتم و نام پدرم السید ابراہیم عصمت است۔ در اسلامبول رئیس العلماء شد ونقیب السادات و بسیار عالم کلان بودو دوبار قاضی عسکر ملی شد۔ از سہ زبان مرتّب دیوان دارد و جدّم السید رائف اسمٰعیل پاشا ست۔ از فارسی و ترکی مرتّب دیوان دارد و یک رسالۂ استغفاریہ دارم معید النعم و مبید النقم و مجموعۃ التراجم یک کتاب جمع کردم، ملاقات افتادگی ھمہ عالم و شاعر را در رہ رَوی بہ زبان عربی ترجمہ

کردم۔''[۵]

ترجمہ: اس سفر میں حج کی سعادت حاصل کرنے کے بعد ایک کتب فروش کے ذریعے خلاصۂ خاندان مصطفیٰ ... سے ملاقات ہوئی۔ میں نے عرض کیا اپنے نامِ مبارک اور تخلصِ عالی کے بارے میں کچھ فرمائیے۔ یہاں سے انھی کی عبارت شروع ہوتی ہے:

میرا نام سید احمد عارف، حکمت تخلص، استنبول شہر میں ۲۷ محرّم الحرام کی رات، ۱۲۰۱ھ کو پیدا ہوا۔ میرے والد سید ابراہیم عصمت استنبول کے رئیس العلماء و نقیب السادات بنے اور بہت بڑے عالم تھے۔ دو بار سرکاری فوج کے قاضی بھی بنے۔ تین زبانوں [عربی، فارسی، ترکی] میں ان کا دیوان ہے۔ میرے دادا سید رائف اسمعیل پاشا ہیں جن کا فارسی اور ترکی دیوان ہے۔ میرا ایک رسالہ استغفاریہ **معید النعم و مبید النقم** کے نام سے ہے۔ ایک اور کتاب **مجموعہ التراجم** کے نام سے مرتّب کی ہے، اس میں ان تمام علماء اور شعراء کے حالات عربی زبان میں لکھے ہیں جن سے سفر کے دوران میں ملاقات ہوئی۔

اس کے بعد خادمؔ عظیم آبادی نے عارف حکمت کے فارسی کلام کا نمونہ بھی دیا ہے۔ یہاں صرف ایک رباعی نقل کی جاتی ہے:

اندیشہ بقید وہم یکسر این جا
جہل عرفاء زعلم بہتر این جا
عرفانہ مشناس قیل و قال وہمی
معنی دگر است و فہم دیگر این جا[۶]

''مقطع میں آ پڑی ہے سخن گسترانہ بات''، آج سے ٹھیک دو سو سال پہلے عالمِ اسلام میں رابطے کی زبان فارسی تھی۔ ایک ہندوستانی بہاری مسافر جس کی مادری زبان اردو ہے، ایک ترک عالم سے جس کی مادری زبان ترکی ہے، عربستان میں ملتا ہے تو دونوں میں تبادلۂ خیالات فارسی زبان کے ذریعے ہوتا ہے۔ نہ صرف یہ بلکہ شیخ عارف حکمت بتاتے ہیں کہ ان کے تُرک آباء و اجداد بھی فارسی کے شاعر تھے۔ یہ تھی دو سو سال پہلے عالم اسلام کی لسانی وحدت۔ آج دو سو سال بعد برگشتگی روزگار دیکھیے کہ عربستان میں جب حجاج اور معتمرین ایک دوسرے سے ملتے ہیں تو ایک دوسرے کے لیے ''عجمی'' (گونگے) ہوتے ہیں اور اگر وہاں آپ کا کسی تُرک زائر سے گفتگو کرنے کو جی چاہے تو ''زبانِ یارِ من تُرکی و من تُرکی نمی دانم'' والا معاملہ ہوتا ہے!

مجھے مکتبۂ عارف حکمت کے محض چند منتخب مخطوطات دیکھنے کا موقع ملا۔ پہلے سے قطعاً طے نہیں تھا کہ میں اس ذخیرے کے کون کون سے مخطوطات دیکھوں گا، لیکن یہی گنے چنے مخطوطات دیکھ کر یہ بات سامنے آئی کہ شیخ عارف حکمت بہت ہی علم پرور اور مسافر نواز شخص تھے۔ دور دراز ملکوں سے جو صاحب علم سیّاح یا زائرین استنبول یا مکّۂ مکرّمہ یا مدینۂ منوّرہ آتے تو شیخ ان کی دل جوئی کرتے، انھیں قیام و طعام کی سہولت بہم پہنچاتے اور ان سے فرمائش کر کے کتابیں تصنیف کرواتے۔ مجھے یقین ہے کہ اگر ذخیرۂ عارف حکمت کے تمام مخطوطات کا بالاستیعاب جائزہ لیا جاے تو ایسے مزید مخطوطات ملیں گے جو شیخ کے کہنے پر تصنیف ہوے یا کتابت کیے گئے۔ اس طرح شیخ کی معارف پروری کے مزید شواہد جمع ہوں گے۔اللہ تعالیٰ ان پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے۔

ذخیرۂ حکمت کے کتاب دار ماجد العوفی نے بتایا کہ مکتبۂ عارف حکمت میں کوئی ۸۰۰۰ مخطوطات ہیں۔ جو کشادہ کمرہ اس مکتبہ کے لیے مختص ہے وہ ایک مطالعہ کے کمرے اور ایک بالکونی پر مشتمل ہے۔ بالکونی میں تمام مخطوطات رکھے ہیں اور وہاں جانے کا دروازہ مقفّل رہتا ہے اور صرف کتاب دار ہی اسے کھول کر اوپر جا سکتا ہے۔ مطالعہ کے وسیع کمرے میں مطبوعہ کتب اور مکتبۂ عارف حکمت کی فہرستیں وغیرہ رکھی ہیں۔ فہرستیں رجسٹروں اور کارڈوں کی صورت میں ہیں۔ ایک فائل ان مطبوعہ تراشوں پر مشتمل ہے جو مکتبۂ عارف حکمت کے بخط مصنّف نسخوں کے بارے میں ہیں۔ عرب محققین نے ان نسخوں کے بارے میں جو مقالات چھپوائے ہیں، کتب خانہ کے کارپردازوں نے انھیں ایک فائل میں لگا دیا ہے۔ مکتبۂ عارف حکمت سے میری آشنائی گذشتہ کئی سالوں سے مختلف ذرائع سے رہی ہے۔ ایرانی مخطوطہ شناسوں نے یہ مکتبہ دیکھا ہے اور اس کی مجمل فہرستیں شائع کی ہیں جو مدینۂ منوّرہ جانے سے پہلے میری نظر سے گذر چکی تھیں، جیسے محمد تقی دانش پژوہ کی تیار کی ہوئی فہرست مشمولہ **نسخہ ھای خطی** زیر نظر محمد تقی دانش پژوہ و ایرج افشار، شائع کردہ تہران یونی ورسٹی، ۱۹۶۷ء، دفتر ۵؛ عزیز اللہ عطاردی قوچانی کا کتابچہ **مخطوطات فارسی در مدینہ**، مطبوعہ مطبع حیدری [تہران]، ۱۹۶۷ء۔ پہلے اس مکتبہ کی حیثیت جداگانہ اور مستقل تھی ،لیکن جب مدینۂ منوّرہ میں مکتبۂ ملک عبد العزیز قائم ہوا تو مکتبۂ عارف حکمت کو یہاں منتقل کر دیا گیا۔

میں نے مکتبۂ عارف حکمت میں جو مخطوطات دیکھے ان کا مجمل تعارف یہاں کتب کے اسماء کی تہجی ترتیب سے کیا گیاہے۔ ان میں چند مخطوطات ایسے بھی ہیں جن کے بارے میں مَیں نے تفصیلی یادداشتیں تیار کی ہیں یا ان کے عکس لیے ہیں۔ کوشش کروں گا کہ آیندہ کسی فرصت میں ان کے

بارے میں جداگانہ تفصیلی مقالات لکھوں۔ جن مخطوطات کے کوائف رجسٹر سے نقل کرنے پر اکتفا کیا گیااور بالفعل نسخے نکلوا کرنہیں دیکھے جاسکے ،ان پر ستارے☆ کی علامت ڈال دی گئی ہے۔ ایسے کوائف کی صحت کے بارے میں کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ اس مکتبہ کے جومخطوطات میں نے دیکھے، بلا استثناء سب کی خصوصیت یہ تھی کہ وہ عمدہ خط میں لکھے گئے ہیں، کاغذ نہایت اچھی حالت میں ہے، کہیں کیڑا لگنے، نسخہ ناقص ہونے، اوراق کٹے پھٹے ہونے کے آثار نہیں ہیں، ہر نسخہ کی مضبوط جلد ہے اور جلد کی حفاظت کے لیے اس پر کاغذی غلاف چڑھایا گیا ہے۔نسخوں کی ظاہری حالت، خوبصورتی، خوش خطی، صفائی اور حفاظت کا انتظام دیکھ کر طبیعت میں انبساط اورا نشراح پیدا ۔ اس سے شیخ عارف حکمت کے عمدہ کتابی ذوق اور کتابوں سے محبت کی گواہی بھی ملتی ہے۔ ہر مخطوطہ کے سرورق (جسے مخطوطہ شناسی کی اصطلاح میں ''ظہریہ'' کہا جاتا ہے) پر اور آخر میں واقف کی مہر ثبت ہے جس پر یہ عبارت کندہ ہے:

مما وقفه العبد الفقير الى ربّه أحمد عارف حكمة بن عصمة الله الحسينى
فى مدينة الرسول الكريم عليه و على آله الصلاة و التسليم
بشرط ان لا يخرج عن خزانته ،والمؤمن محمول على امانته ١٢٦٦ ھ

اندر ونی اوراق پر ایک چھوٹی گول مہر ثبت ہے جس کی عبارت مختصر ہے:

وقف حكمة الله بن عصمة الله الحسينى١٢٦٧

مخطوطات:

احوال ناصر الدین عمر بن دانیال، مصنّف: مرشد بن امام الشیرازی العمری (ورق ۳۲ب) مصنّف کے والد کا پورا نام امام الدین محمد ہے جو صاحبِ ترجمہ ناصرالدین عمر (۷۱۳۔۸۲۶ھ) بن نجم الدین دانیال کے فرزند اور جانشین تھے، تاریخ تصنیف: ندارد، لیکن مصنّف نے مولانا عبدالرحمان جامی (م۸۹۸) کا ذکر ''علیہ الرحمہ و الرضوان'' لکھ کر کیا ہے (۳۲ب)، اس سے قیا س ہوتا ہے کہ ۸۹۸ھ سے بعد کی تصنیف ہے۔ آغاز: **احمد الله تعالى الآيه المتوالية واشكره على نعما يه ... اما بعد این چند سطری** است از شطری از واردات احوال جدّ بزرگوارم؛ کتاب نظام الدین احمد پاشا کی خدمت میں تحفۃً پیش کی گئی ہے۔ بخط مصنّف، ترقیمہ: **ختمت الكتاب والله اعلم بالصواب واليه المرجع و المآب حرره محرره مرشد بن امام العمرى الشيرازى عفى عنهما**؛ عربی عبارات بخط نسخ، فارسی عبارات بخط نستعلیق، ۴۲ورق، رقم:۹۰۲/۶۸

یہی وہ کتاب تھی جس کی تلاش میں مَیں پہلے دن مکتبۂ عارف حکمت گیا اور اس کا عکس بنوایا۔ دو سال قبل جب سلسلۂ مرشدیہ کے ایک گم نام شیخ طریقت ناصرالدین عمر بن نجم الدین دانیال کی سوانح عمری **معدن الدرر فی سیرۃ الشیخ حاجی عمر** تصنیف شمس الدین محمد پر کام ہو رہا تھا تو مکتبۂ عارف حکمت کے مخطوطات سے متعلق ایرانی فہرستوں میں **احوال عمر بن دانیال ہمدانی** یا **کتاب در حالات شیخ عمر دانیال** کا اندراج نظر سے گذرا اور گمان ہوا کہ یہ کتاب بھی ہمارے ممدوح شیخ کے حالات پر ہی ہو گی۔ ایرانی فہرستوں میں مخطوطے کا نمبر [۵۵۵/تاریخ] دیا گیا تھا لہٰذااسی کے مطابق مکتبۂ عارف حکمت سے یہ نسخہ تلاش کروایا گیا، لیکن پرانا نمبر تبدیل ہو جانے کی وجہ سے نسخہ ہم دست نہ ہو سکا اورمقدمے میں نسخۂ مدینہ کا ذکر سوالیہ نشان کے ساتھ کردیاگیا۔ اب یہ نسخہ دیکھا تو مطبوعہ نسخے سے چند بنیادی اختلافات سامنے آئے ہیں:

اولاً: نسخۂ مدینہ میں مصنّف کا نام مرشد بن امام عمری شیرازی درج ہے جو ناصرالدین عمر کو اپنا جدّ لکھتا ہے،جب کہ **معدن الدرر** کا مصنّف ناصرالدین عمرکا برادر زادہ ہے۔

ثانیاً: نسخۂ مدینہ کے دیباچہ میں طویل القاب کے ساتھ نظام الوزارۃ و الحکومۃ والدّنیا والدّین احمد پاشا کا نام لکھ کر کتاب اسے پیش کی گئی ہے، جب کہ **معدن الدرر** میں ایسی کوئی انتسابیہ عبارت نہیں ہے۔ البتہ ایک امیر کمال الدین عبدالرحیم ایناق کا ذکر ہے جس نے ناصر الدین عمر کے حالات پر رسالہ لکھا تھا۔

ثالثاً: نسخۂ مدینہ میں ناصرالدین عمرکے مقام پیدائش شست تایکان کو نواح ہمدان میں بتایا گیا ہے جب کہ **معدن الدرر** میں اسے لرستان میں بتایا گیاہے۔

ان بنیادی اختلافات سے قطع نظر، نسخۂ مدینہ، **معدن الدرر** کی محض تلخیص معلوم ہوتی ہے، کیوں کہ اس میں جو کچھ نقل ہوا ہے وہ لفظ بلفظ **معدن الدرر** میں موجود ہے۔ **معدن الدرر** ۸۶۹ ھ میں تصنیف ہوئی تھی، زیرِ نظر رسالہ ۸۹۸ھ سے بعد کی تصنیف/تلخیص ہے۔ میں ان شاء اللہ کسی دوسرے مضمون میں ان دونوں نسخوں کا ایک تفصیلی تقابلی جائزہ پیش کروں گا۔

اخبار الاخیار، مصنّف: شیخ عبدالحق محدّث دہلوی (۹۵۸-۱۰۵۲ھ)، کاتب: میرزا نور اللہ بخاری، تاریخ کتابت: ۱۲۶۵ھ، مطلّا اور عمدہ نسخہ، ۶۵۶صفحات، رقم:؟ (لکھنا بھول گیا)۔[۷]

بادشاہ نامہ، مصنّف: عبدالحمید لاہوری، آغاز: نگارین کلامی کہ گزارش آن؛نسخہ بغیر ترقیمہ کے ہے، قیاساً

بارہویں صدی ہجری، نسخہ ابوطالب کلیم ہمدانی کے ذکر پر ختم ہو جاتا ہے، آخری فقرہ یہ ہے: ''برمفارق جہانیان مبسوط و محدود باد، اضعف خلق اللہ''؛ نستعلیق خوش، سنہری جدول، پہلے دوصفحوں پر طلائی نقش ونگار، معمولی سرلوح، ۲۸۷ صفحات، رقم: ۹۰۲/۴

بساتین الانس، مصنّف: تاج الدین محمد بن صدرالدین احمد بن علاء الدین بن حسن دبیر عبدوسی ،مشہور بہ ملک اختسان دہلوی، تاریخ کتابت: ۱۸ محرّم الحرام ۸۷۴ھ، ترقیمہ: **وقع الاختتام ضحوة الكبرىٰ من يوم الجمعة الثامن عشر من شهر الحرام بسنه اربع و سبعين و ثمان ما ئة الحمد لله اولا و آخرا وصلى الله على النبى و آله و الطاهرين**؛ خفی نستعلیق ترکی طرز میں، ۱۵۶ ورق، ظہریہ پر نسخہ کے پرانے مالکوں کی مہریں اور عربی زبان میں یادداشتیں ہیں۔ چند ایک یہ ہیں:

۱۔ رستم بن احمد بن محمود الشروانی

۲۔ اسمعیل بن محمد المدعو بکوچک چلپی

۳۔ محمد حمید، اور ان کی مہر ''محمد حمید باد تمنایی''

رقم: ۹۰۲/۹

بساتین الانس، دوسرا نسخہ: تاریخ کتابت: ندارد، ترقیمہ: **تمت الكتابت المسماة ببساتين الانس من كلام ملك الاعظم ملك الاخستان الهندى الدّهلوى نورالله مرقده**؛ خفی نستعلیق، طلائی حاشیہ، سرلوح، عمدہ نسخہ، ۱۶۰ ورق، رقم: ۹۰۲/۸

تاریخ غزنویان، مصنّف: شیخ بلیغ افندی (رجسٹر کے مطابق)، تاریخ تصنیف: نامعلوم، یہ غزنوی سلاطین کی تاریخ ہے۔ حمد و نعت کے بعد پہلا عنوان یہ ہے: ذکر انہزام جتوان وکشتن او در جنگ ،و چون ماہ معظم رمضان سنہ ثمانین وخمس مائۃ کہ موسم رحمت و موعد مغفرت است، استقبال نمود؛ اس کے بعد متعدد سرخیوں میں سے چند ایک یہ ہیں: عزیمت پادشاہی بہ صوب ہانسی جہت عمارت حصار، قدوم سلطانی بہ خطۂ کہرام، استخلاص میرٹ [میرٹھ] و دہلی، ذکر عصیان ہراج برادر رای اجمیر، نہضت مبارک بہ صوب حضرت غزنہ حرس اللہ من الآفات؛ آخری سرخی یہ ہے: فصل در محاسن این کتاب، اس فصل میں یہ جملہ لکھاہے: ''و این تاریخ روضۂ نواظر شعراء و بلغاء و نزہت جای بصایر فضلاء و فصحاء ست (ورق۳۴۲ الف)۔ شاید اسی وجہ سے رجسٹر میں کتاب کا نام ''روضۃ النواظر فی ملوک الہند'' لکھا گیا ہے، لیکن یہ محض تعریفی الفاظ ہیں جیسا کہ جملے کے دوسرے حصّے میں ''نزہت جای'' ہے۔ کتاب مشکل فارسی میں انشا نگاری کانمونہ ہے اور اس میں عربی اور فارسی اشعار کی بھرمار ہے۔ آغاز: حمد

و سپاس بی قیاس کہ قدم شہسوار عقل دو اسپہ بہ سرحد عدو احصاء آن نرسد؛ تاریخ کتابت: ۱۰ جمادی الاوّل ۸۷۷ھ؛ ترقیمہ: **تم هذا بعون الله تعالى و حسن توفيقه والصلوة والسلام على خير خلقه محمد و آله اجمعين فى عاشر شهر جمادى الاوّل سنه سبع و سبعين و ثمان مائة الهلاليه**؛ پورا نسخہ طلائی حاشیے کے ساتھ ہے، خط عمدہ نسخ مائل، مضبوط نسخہ، ۶۸۸ صفحات، رقم: ۹۰۲/۷۱

تحفۃ القادریہ، مصنّف: شاہ ابوالمعالی لاہوری، عمدہ اور مطلا نسخہ، ۳۸ صفحات، رقم: ۲۶۱/۳۶

حسنات الحرمین، فارسی مترجم: ملا محمد شاکر سرہندی[۸]، اس نسخے کی اہمیت یہ ہے کہ خود صاحب ذخیرہ شیخ احمد عارف حکمت کا کتابت کردہ ہے اور ظہریہ پر ان کی ایک فارسی رباعی انھی کے خط میں موجود ہے۔ ترقیمہ: ''این کتاب مشکین نقاب در اواخر سنۂ ہزار و دو صد و چہل و سہ در بلدۂ دلارای اسلامبول-حمیت عن کل ہول مہول- بقلم شکستہ رقم عبدفقیر و حقیر، پریشان ضمیر احمد عارف متعارف بحکمۃ اللہ بن عصمت اللہ الحسینی الاسلامبولی باعون خداوند مجید بسرحد انجام رسید...''(دعائیہ کلمات میں نے نقل کرتے وقت حذف کردیے ہیں)۔ ترقیمہ کے بعد حضرت مجدّد الف ثانی کے چار صاحب زادوں کی وفات کے فارسی قطعات تاریخ ہیں، شاعر کا نام وزیر احمد سہرندی لکھا ہے۔ اس کے بعد حضرت مجدّد کے ساتوں صاحب زادوں کے نام مع تواریخ ولادت و وفات شجرہ کی صورت میں دیے گئے ہیں۔ ظہریہ پر یہ یادداشت ہے:

لمحررہ حکمت الحسینی

یا ربّ بحقّ مہر جہان تاب اصطفا
کز نور وجہ او شدہ کشف ہمہ دجا
بیچارگانِ امّت حضرت نگاہ دار
از ہر بلای صبح وز ہر طارق مسا

نستعلیق خوش، ۴۵ ورق، رقم: ۹۰۲/۹۶

حضرات القدس، دفتر ثانی، مصنّف: بدرالدین سرہندی، آغاز: حضرات القدس محامد مقدّسہ ونفحات القدس مکارم منزّہ؛ کتاب کے مقدّمے میں یہ وضاحت موجود ہے کہ کتاب کا دفتر اوّل حضرت ابو بکر صدیق سے لے کر خواجہ باقی باللہ تک تراجم پر مشتمل ہے اور اب یہ دفتر دوّم حضرت مجدّد اور ان کی اولاد کا تذکرہ ہے۔ ظہریہ پر بھی اسی مفہوم کی حامل یہ یادداشت موجود ہے: ''دفتر ثانی از کتاب **حضرات القدس** در مناقب امامِ ربّانی و اولادِ گرامی ایشان قدس اللہ اسرارہم''؛ تاریخ کتابت: ندارد، تخمینا بارہویں صدی

ہجری، ہندی/افغانی طرز کا واضح نستعلیق، ۷۵۲ صفحات، رقم: ۲۶۱/۱۵

دریاے روح و تیمّم نوح، مصنّف: علیم اللہ بن عبدالرشید عباسی حنفی نقشبندی لاہوری، متخلص بہ علیم، مصنّف نے اس رسالے میں اپنے بارے میں جو معلومات بہم پہنچائی ہیں اس کے مطابق وہ صوفی جمیل بیگ کے مرید تھے، وہ مرید حافظ عبدالغفور پشاوری (م ۱۱۱۶ھ) کے، وہ مرید شیخ سعدی لاہوری (م۱۱۰۸ھ) کے، وہ مرید شیخ آدم بنوڑی (م۱۰۵۳ھ) کے، وہ مرید حضرت مجدّد الف ثانی کے۔ مصنّف شاعری میں شاہ فقیر اللہ آفرین لاہوری کے اور علوم عقلی و نقلی میں شیخ محمد افضل قادری (جو ہنگامۂ نادری میں لاہور میں شہید ہوے) کے شاگرد ہیں۔ مصنّف سیر وسیاحت کے دلدادہ تھے۔ شیخ محمد فاضل کے ساتھ شیخ فرید الدین گنج شکر کی خانقاہ دیکھنے [پاک پتن] گئے۔ حرمین شریفین اور روم کا سفر بھی کیا۔ آخرش دمشق میں بس گئے اور یہ رسالہ وہیں لکھا (۶ب)۔ مصنّف نے بتایا ہے کہ فریدون نے **تذکرۃ الشعراء** میں آفرین لاہوری کے حالات کے ضمن میں اس کا [یعنی علیم اللہ کا] تذکرہ آفرین کے شاگرد کے طور پر کیا ہے (۲ب)۔ تاہم راقم السطور کو فریدون نامی مصنّف کے کسی **تذکرۃ الشعراء** کا سراغ کہیں نہیں ملا۔ علیم اللہ عباسی کا غالبا سب سے مفصل تذکرہ سید محمد خلیل مرادی (۱۱۷۳۔۱۲۰۶ھ) نے **سلک الدرر فی اعیان القرن الثانی عشر** میں ان کے بارے میں ''شیخا عالما محققا مدققا فاضلا عارفا صوفیا'' لکھ کر کیا ہے[9] اور وہیں سے علامہ عبدالحی بن فخرالدین حسنی بریلوی نے ان کے حالات نقل کیے ہیں۔ اس کے مطابق (ترجمہ): ''وہ علوم وتحقیق میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔ ان کی تقریر اور بیان کردہ معانی معارف الٰہیہ پر مشتمل ہوتے۔ حسن اخلاق، تواضع اور بشاشت کی وجہ سے انہوں نے ہر خاص و عام کو اپنا گرویدہ بنا رکھا تھا، وہ متّقی، صالح، فلاح پانے والے اور مسلک سادات پر چلنے والے تھے۔ ہندوستان میں انہوں نے اجل مشایخ اور اساتذہ سے کسبِ علم کیا تھا۔ شیخ نصر الحق قادری سے صرف و نحو اور منطق پڑھی؛ شیخ ابوالفتح محمد فاضل قادری سے سات سال تک درس لیتے رہے اور علوم و برکات حاصل کرتے رہے۔ شیخ محمد افضل شاہ پوری منطقی سے منطق و فلسفہ پر معروف کتب **شمسیۂ قطب رازی، حاشیہ سید شریف جرجانی، حاشیہ ملا عبد الحکیم سیال کوٹی، شرح تہذیب** جلال الدین دوانی مع **حاشیہ سید زاہد ہروی** پڑھیں۔ شیخ عبدالکریم اویسی سے **مثنوی مولوی** پڑھتے رہے۔ اس کے علاوہ بھی ہندوستان میں ان کے اساتذہ ہیں۔ جب حج اور زیارت مدینہ کے لیے آے تو یہاں شیخ محمد حیات سندھی سے حدیث اور اصول حدیث سنے۔ پھر دمشق گئے، وہاں سے قسطنطنیہ [استنبول] گئے اور وہاں سے دوبارہ دمشق لوٹ کر محلّہ قماعین [گندم منڈی]، باب سریجہ کے پاس ایک تکیہ میں سکونت اختیار کرلی۔ اہل دمشق ان کے بے حد معتقد تھے اور ان کا احترام کرتے تھے اور ان کی مجلس میں آکر

فیض یاب ہوتے تھے۔ ان کی مجالس میں جو کچھ بیان ہوتا آداب و فضائل سے بھرپور ہوتا۔ نہ صرف ارباب معارف اور اہل حاجات بل کہ کاملین بھی ان کے لطائف اور نکات سے استفادہ کرتے۔ ان کے سامنے آلات موسیقی کے ساتھ اشعار پڑھے جاتے۔ سماع مزامیر کے حکم کے بارے میں جب ان سے سوال کیا گیا تو انہوں نے کہا: یہ سماع دل میں کوئی نئی چیز پیدا نہیں کرتا بل کہ پہلے سے جو کچھ دل میں موجود ہوتا ہے اسے ہی متحرک کرتا ہے۔ وہ جس مکان میں رہتے تھے وہیں درس وتدریس کرتے تھے، پھر انھیں انھی مدرسۂ قمیریہ کا ناظم بنا دیا گیا۔ وہ سال میں ایک بار چالیس دن/چلہ کے لیے کثیر جماعت کے ساتھ صالحیہ میں جبل قاسیون میں ''اربعین'' کے مقام پر جاتے۔ اِس وقت [یعنی تصنیف کتاب کے وقت] ان کے پوتے اور مرید بکثرت موجود ہیں۔ ان سے جتنے لوگ فیض یاب ہوے ان کا شمار ممکن نہیں ہے۔ وہ محققین صوفیا میں سے نہایت نیک انسان تھے۔ ان کا انتقال ۱۱۷۶ھ میں دمشق میں ہوا اور انھیں اسی تکیے میں دفن کیا گیا جہاں وہ رہتے تھے''[۱۰]۔ اسماعیل پاشا بغدادی نے **ھدیۃ العارفین** میں ان کا سال وفات تقریبا ۱۱۶۸ ھ لکھا ہے[۱۱]۔ ان کی چند اور تصانیف جو معلوم ہوسکیں، یہ ہیں: ۱۔ **الفوائدالافضلیۃ**[۱۲]، نام سے گمان ہوتا ہے کہ انہیں اپنے استاد شیخ محمد افضل قادری سے جو علمی فوائد حاصل ہوے یہ رسالہ ان کے بارے میں لکھاہے؛ ۲۔ **الفتوحات الانسیہ فی تحقیق رموز الصّوفیہ** (عربی)، قلمی نسخہ مکتوبہ ۱۱۶۲ھ، ۱۴۶ ورق، کتب خانۂ سلیمانیہ، استنبول (ذخیرۂ قلیچ علی پاشا، شمارہ ۶۱۷)؛ ۳۔ **رسالۃ الھندیہ فی طریقۃ النقشبندیہ** (عربی)، قلمی، ورق ۱۳۵۔۱۵۴، شمارہ ۴۹۵۸، دارالکتب الظاہریہ [نیانام: مکتبۃ الاسد]، دمشق[۱۳]؛ دارالکتب الظاہریہ میں ۲ ورق کا ایک اور عربی مخطوطہ **شجرۃ الخلافۃ النقشبندیہ** از محمد بن الحاج محمد العطر، شمارہ ۹۶۶۵ موجودہے[۱۴] جس میں مصنّف کہتا ہے کہ اس نے علیم اللہ لاہوری سے اجازہ لیا اورعلیم اللہ نے (ذکر اور تلقین کے لیے) صوفی جمیل بیگ سے اجازہ لیا تھا۔

رسالہ **دریاے روح وتیمّم نوح** امیر خسرو سے منسوب حسب ذیل معروف شعر کی صوفیانہ شرح ہے:

ز دریاے شہادت چون نہنگ ''لا'' بر آرد سر
تیمّم فرض گردد نوح را در عین طوفانش

مصنّف نے اس رسالے پر جو دیباچہ لکھا ہے وہ جداگانہ حیثیت کا حامل ہے۔ اس میں مصنّف کی سیر وسیاحت اور اس دوران ہونے والی ملاقاتوں کا ذکر ہوا ہے۔ لاہور میں شعر و ادب کی مجالس اور معاصر رجال کے تذکرے سے یہ رسالہ دل چسپ بن گیا ہے۔ رسالے کے دوسرے حصے یعنی شرح بیت امیر خسرو کے ضمن میں بھی کئی رجال کا تذکرہ ہوا ہے۔ میں چند اسماء درج کرنے پر اکتفا کرتا

ہوں تاکہ رسالے کی افادیت معلوم ہوسکے۔پاک وہند کے رجال میں سے: فقیر اللہ آفرین لاہوری (شاعر)، شیخ محمد افضل قادری شہید لاہور (عالم دین)، حکیم خان حاکم لاہوری (شاعر) امیر عبدالہادی، امیر صمصام الدولہ، امیر عبدالرحمان خان بن شادمان خان، شیخ محمد افضل سرہندی، مولانا برہان الدین خان، محمد ہاشم، دمشق کے رجال میں سے: امیرعبداللہ پاشا سپہ سالار روم و شام، مولانا وزیر آصف جاہ، امیر نصر اللہ، شیخ محمد مراد المعروف بہ کسج [یہ عرف ہنوز تحقیق طلب ہے، نسخہ میں اسی طرح کتابت ہوا ہے، شاید کوسج رکُسج یعنی کودا، وہ شخص جس کی داڑھی نہیں اُگتی]۔ مصنّف نے ان کے بارے میں لکھا ہے کہ یہ خواجہ محمد معصوم سرہندی کے خلیفہ تھے اور ناصر علی سرہندی نے خواجہ محمد معصوم کی مدح میں جو یہ شعر کہا ہے:

چراغ ہفت کشور خواجہ معصوم
رسیدہ صیتِ او از ہند تا روم

تو روم تک خواجہ کی شہرت رسانی شیخ محمد مراد کے مرہون ہے۔''عارف فاضل و مرشد کامل شیخ محمد مراد المعروف بکسج؟ باوجود عدم مساعدت قدم بر سر مریدان و خدم کرد، عالم گردیدہ و در [ا] صفہان صائبا اصفہانی را دیدہ و بارہا بہ حج رسیدہ، آخر الامر در دمشق الشام-منازل انبیاء کرام-رخت اقامت انداختہ و مرّتین در دارالسلطنہ اسلامبول خلق را بہ این طریقِ احمدیہ نقشبندیہ رہنمای کردہ و سلاطین و امرای دولت ازصحبت با برکت ایشان استفادۂ قربت نمودہ اند و باسعاد و مساعدت فرزندان و وابستگان ایشان تقرب جستہ۔ چون روح قدسی آشیان داعی حق را اجابت کردہ، در مدرسۂ شیخ الاسلام داماد زادہ در قریب مزار متبرک ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ مدفون و مخزون شد۔ الحمدللہ امروز جمالِ شام و مرجع انام مولانا علی افندی بن شیخ محمد افندی بن شیخ محمد مراد خلف صدق این شجرۂ ثمرہ و ذریۂ طیّبۂ ایشان موجود اند••• القصّہ بسبب اقامت این بزرگوار شیخ مراد نقشبندی در ولایت روم و شام طریقۂ علیہ رواج یافتہ و ذکر میان محمد معصوم خاصۃ شہرت پذیرفتہ و قول شاعر مغلق ناصر علی چون فال دیوان حافظ راست و مطابق برآمدہ'' (ورق ۲۹ الف رب)۔ شیخ محمد مراد کے حالات دیگر مآخذ میں بھی موجود ہیں، وہ ۱۰۵۰ھ/۱۶۴۰ء میں سمرقند میں پیدا ہوے۔ ہندوستان جا کر خواجہ محمد معصوم کے مرید ہوے۔ دمشق میں شادی کی۔ ۱۰۹۲ھ /۱۶۸۱ء میں استنبول گئے اور وہیں ۱۲ ربیع الثانی ۱۱۳۲ھ/۱۷۲۰ء کو انتقال کیا ان کے بیٹے محمد بہاء الدین مرادی (۱۰۹۴-۱۱۶۹ھ) دمشق میں اپنے والد کے خلیفہ تھے اور وہیں انتقال کیا۔ ان کے بیٹے علی مرادی (۱۱۳۲-۱۱۸۴ھ) کا انتقال بھی دمشق میں ہوا۔ علی مرادی کے بیٹے محمد خلیل مرادی (۱۱۷۳-۱۲۰۶ھ) رجال پر معروف کتاب **سلک الدررفی اعیان القرن الثانی العشر** کے مصنّف

ہیں جس میں انہوں نے اپنے خاندان کے بارے میں بہت مفید اور صحیح معلومات دی ہیں[۱۵]۔

علیم اللہ عباسی نقشبندی نرم خُو مصنّف ہیں اور عام حضراتِ مجدّدیہ کی روایت سے ہٹ کر شہزادہ محمد دارا شکوہ کے بارے میں دل میں نرم گوشہ رکھتے ہیں اور اسے ''جامع علوّ قدر و جاہ و نائل گوہر یگانۂ معرفت الٓہ'' لکھا ہے (۱۳اب)۔مصنّف کے سماع مزامیر کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔

آغاز دیباچہ: سپاس بی قیاس مرحضرت پرور دگار را کہ بحکم ''کنت کنزا مخفیا''؛ آغاز شرح: **والحمد لله العلى العظيم والجواد الكريم البر الرؤف الرحيم۰۰۰** اما بعد این رسالہ ایست درحل بیت؛ تاریخ کتابت و مقابلہ: ''**تمت المقابله على قدر وسع ۱۲۳۸ ھ**''، ۳۰ورق، رقم: ۸۱۲/۲۲

دیوان امیر ہمایون،آغاز:

بی تو جایی کہ شود خاک دل چاک آنجا
تا ابد لالہ برآید ز دل خاک آنجا

ترقیمہ: ''**تمت الديوان امير همايون على يد اضعف الكاتبين عبدالواحد حسين كاتب المشهدى غفرالله ذنوبها و سترعيوبها**''؛ خفی نستعلیق، جیبی تقطیع، مطلا، ۳۶ ورق، رقم: ۸۱۲/۴۹

دیوان کلیم کاشانی، قصاید، غزلیات اور رباعیات کا دیوان ہے۔

آغاز قصاید:

شوق ہرکس را کہ در راہ طلب سر می دھد
گر در آرد اوّل از پا آخرش پر می دھد

آغاز غزلیات:

بہ دل کردم بہ مستی عاقبت زہد و ریایی را
رسانیدم بہ آب ازیمن مَی بینا و تقوی را

ترقیمہ: ''**كتبه العبد محمد رضا غفرله فى شهور ۱۰۷۶**''، دیدہ زیب نستعلیق، نہایت عمدہ نسخہ، خوب صورت طلائی سر لوح، پورے نسخہ میں طلائی اور لاجوردی جدولوں کا اہتمام، بعض جگہ متن کے کاتب نے حاشیے پر اختلافات بھی دیے ہیں، جیسے:

برای رونمای این گلستان
میانِ شبنم و گل فرق نتوان

دوسرے مصرع کا بدل یہ دیا ہے: خیال یار را از دیدہ بستان؛ ظہریہ پر یہ یادداشت ہے: ھو

استصحبه بحقیر محمد صادق الشهیر بوالده کتخدایی زاده غفر له سنه ۲۶؛ ۷۰۰ صفحات، رقم: ۸۱۲/۴۶

دیوان کلیم کاشانی مع دیوان طالب آملی ومثنوی سام و بہرام ومثنوی محمود و ایاز، نسخے کے مشمولات کی ترتیب اس طرح ہے:

۱۔ **دیوان غزلیات کلیم**، مکمل، آغاز:

به دل کردم به مستی عاقبت زهد و ریایی را
رسانیدم به آب ازیمن مَی بینا و تقوی را

۲۔ **مثنوی سام و بہرام، مصنّف**: عبدالرزاق لاہجی، آغاز:

خداوندا دلی ده آشنا روی
که تابد جُز تو از هر آشنا روی

یہ دونوں متن، حوض کے علاوہ حاشیے پر بھی نقل ہوے ہیں۔

۳۔ **دیوان طالب آملی**، آغاز:

افسانه شیخ است لبِ خون چکان ما
صد ره گزیده حرف چکد از زبانِ ما

دیوان طالب آملی ،دیوان طالب دیوان کلیم کے حاشیے پرنقل ہوا ہے، ترقیمہ: ’’**تمت الکتاب بعون ملک الوهاب ۱۰۷۵**‘‘۔

۴۔ **مثنوی محمود و ایاز**، مصنّف: زلالی خوانساری، یہ **سام و بہرام** کے حاشیے پر ہے۔

پہلے دو صفحے منقش، سرلوح، نستعلیق خوش، ۶۱۲ صفحات، رقم: ۸۱۲/۴۵

ذکر مشایخ متاخرین سلسلۂ نقشبندیہ مجدّدیہ[۱۶] ،مجھے رسالے میں مصنّف کا نام نہیں ملا، لیکن رجسٹر میں خلیل سہرندی لکھا ہے۔ اس مصنّف کی ایک دوسری کتاب **سیاحت نامہ** بھی یہاں دیکھی، جس کا ذکر اپنے مقام پرہو گا،وہاں ان کا پورا نام محمد خلیل بن محمد غفران اللہ احمدی فاروقی سرہندی پشاوری درج ہوا ہے۔ مصنّف اس رسالہ کی تصنیف کے وقت استنبول میں تھے۔ اس کا سبب تألیف بیان کرتے ہوے لکھتے ہیں: ’’مخلصی از منتسبان این طریقۂ علیه ازاین فقیرِ هیچ مدان استدعا نموده که ذکر بعضی از مشایخ متأخرین این سلسلۂ علیۂ نقشبندیه و مجدّدیه- که بعد از زمانِ صاحبِ **رشحات** به ظهور آمده اند-

مولد و مدفن و سال تاریخ آنہا بہ طریق اجمال ضبط کردہ شود، بہ غایت یک اثر کلّی ترتیب می شد۔ اگرچہ بعضی کتب ھا [کذا] شامل ذکر آنہا ہستند، مثل **نسماتِ** خواجہ ہاشم کشمی و **برکات احمدیہ** از خواجہ مذکور و **حضرات القدس** از مولا بدرالدین سرہندی و **روضۃ القیوم** [کذا] از محمد احسان و **مقامات شیخ مراد کشمیری** و **تحفۃ المعصوم** میر غیاث الدین بدخشی وغیرہ رسایل از متأخرین، اما در بلدۂ مکرمہ استنبول۔ صانها الله عن الهول المهول- ازان کتب ہا [کذا] نرسیدہ و وفیات بعضی بزرگان بہ یقین معلوم نشدہ، بنا براین فقیر حقیر از کتاب نسمات وغیرہ چیزی کہ بخاطر ماندہ بود، با وجود قصور علم و قلّت حافظہ سطری چند بہ قید کتابت می آرد و تاریخ بعضی کہ بخاطر نیست یا نسیان واقع شدہ، بیاض می گذارد یا تخمینا می نویسد"۔ یعنی :سلسلے سے وابستہ ایک مخلص نے ان سے درخواست کی کہ وہ متأخر نقشبندی اور مجدّدی مشایخ جو **رشحات عین الحیات** کے مصنّف حسین بن علی واعظ کاشفی (م ۹۳۹ھ) کے بعد پیدا ہوے ہیں، ان کے مولد، مدفن اور سال وفات کے بارے میں مختصرا کچھ لکھ دیں۔ اگرچہ بعض کتب جیسے خواجہ ہاشم کشمی کی **نسمات القدس** اور **برکات احمدیہ**، مولانا بدرالدین سرہندی کی **حضرات القدس**، محمد احسان کی **روضۃ القیومیہ**، **مقامات شیخ مراد کشمیری**، اور میر غیاث الدین بدخشی کی **تحفۃ المعصوم** وغیرہ انھی متأخرین کے حالات پر لکھی گئی ہیں، لیکن یہ کتابیں استنبول میں دستیاب نہیں ہیں اور بعض بزرگوں کی وفیات یقین کے ساتھ معلوم نہیں ہوسکیں، اس وجہ سے میرے حافظے میں **نسمات القدس** سے جو کچھ محفوظ تھا وہ لکھ دیا اور جن بزرگوں کی تاریخیں معلوم نہیں تھیں یا بھول چکا تھا ان کی جگہ خالی چھوڑ دی یا اندازے سے لکھ دی۔

یہ رسالہ محض تاریخوں پر مشتمل نہیں ہے بلکہ باقاعدہ مجمل تذکرہ ہے۔ جن بزرگوں کے حالات اس میں درج ہوے ان کے اسماء [بغیرالقاب کے] یہ ہیں: بہاء الدین نقشبند، یعقوب چرخی، عبیداللہ احرار، زاہد وخشواری، درویش محمد، خواجگی احمد کاسانی، خواجگی املنکی، خواجہ محمد قاسم بن خواجگی احمد کاسانی، محمد باقی باللہ، شیخ تاج الدین، احمد سرہندی، محمد صادق بن احمد سرہندی، محمد سعید بن احمد سرہندی، محمد معصوم بن احمد سرہندی، محمد یحیی بن احمد سرہندی، فرخ شاہ، محمد صبغت اللہ بن محمد معصوم بن احمد سرہندی، حجۃ اللہ محمد نقشبند بن محمد معصوم بن احمد سرہندی، سیف الدین سرہندی، محمد عابد سرہندی، نور محمد بداونی، محمد پارسا بن محمد عبیداللہ بن محمد معصوم، شاہ محمد رسا مشہور بہ شاہ صاحب، محمد اسمعیل بن محمد صبغت اللہ، محمد صفت اللہ بن محمد اسمعیل، حاجی غلام محمد معصوم الملقب بہ معصوم ثانی بن محمد اسمعیل [**تحفۃ المعصوم** انھی کے حالات پر لکھی گئی ہے]، شاہ غلام محمد، شاہ غلام علی دہلوی، خالد نقشبندی/کردی، آخوند ملا تیمور خان باجوڑی، محمد معصوم بن ملا تیمور، شاہ عزت اللہ ولی بن شاہ معصوم ثانی۔

ؔآغاز: حمد و ثنا گونا گون برآن خالق بی چون کہ عارفان درگاہ خود را؛ تاریخ کتابت ۱۲۴۹ھ، ترقیمہ: **کتب هذه حاجی محمد البخاری ۱۲۴۹ھ**؛ نستعلیق، ۴۴ ورق، رقم: ۹۰۲/۵۱

رسائل و مکاتیب، مصنّف: شیخ عبدالحق محدّث دہلوی، بلا تاریخ، بغیر نامِ کاتب، نستعلیق، عمدہ اور مطلّا نسخہ، ۲۰۶ ورق، ۱۷ سطر، رقم: ۸۱۳/۱۶

سیاحت نامہ، مصنّف: محمد خلیل بن محمد غفران اللہ احمدی فاروقی سرہندی پشاوری، مصنّف نے دیباچے میں لکھا ہے: ''بہ حکم اشارت... محمد عارف بیگ بن المرحوم عصمت بیگ ادام اللہ عزہ و جلالہ کہ بہ این کمینہ باعث شدہ التزام نمودند آنچہ معلومات تست از احوال بعضی بلاد کہ سیاحت کردی [یا] از ثقات استماع نمودی یا بعضی از تواریخ علماء و فضلاء و سلاطین و حکام و اعیان و ذکر بعضی مزارات مشہورین کہ در ہر بلدہ واقع است بنویس... احوال بعضی از بلاد ہند جانب پنجاب و کابل و خراسان و بدخشان و ماوراء النہر و فرغانہ و کاشغر و ختن و دشتِ قبچاق تردّد و جستجو نمودہ بہ طریق اجمال و تفصیل نوشتہ شد''، یعنی محمد عارف بیگ بن عصمت بیگ نے مصنّف کو حکم دیا کہ اس نے جن شہروں کی سیر کی ہے یا ان کے بارے میں ثقہ لوگوں سے سنا ہے یا علماء، فضلاء، سلاطین، حکام اور امراء کی بعض تاریخیں اور ہر شہر میں واقع مشہور مزارات کا تذکرہ لکھ دو، لہٰذا ہندوستان کی طرف کے کچھ شہروں، پنجاب، کابل، خراسان، بدخشان، ماوراء النہر، فرغانہ، کاشغر، ختن، دشتِ قبچاق کے حالات تلاش کر کے لکھ دیے گئے۔ مصنّف کے اس بیان سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اس نے اس سفر نامے میں جن شہروں کا ذکر کیا ہے وہ سب کے سب اس نے بچشم خود نہیں دیکھے بلکہ ان میں سے بعض کے حالات کتابوں سے نقل کیے ہیں یا ایسا ہے کہ شہر تو دیکھے ہیں لیکن ان کے تاریخی حالات کتابوں سے نقل کیے ہیں۔ محمد عارف بیگ بن عصمت بیگ جنھوں نے یہ **سیاحت نامہ** لکھنے کی فرمایش کی، وہی احمد عارف حکمت ہیں جن کے کتب خانے میں یہ مخطوطہ محفوظ ہے۔ ہم رسالہ ذکر مشایخ متأخرین سلسلۂ نقشبندیہ مجدّدیہ کے ضمن میں پہلے یہ ذکر کر آئے ہیں کہ خلیل سرہندی استنبول بھی گئے تھے اور عارف حکمت کا وطن وہی ہے۔ ترکی میں ''بیگ'' مرد کے لیے احتراماً لکھا جاتا ہے۔ مصنّف نے لاہور کا ذکر ''الہ نور'' لکھ کر کیا ہے اور کہا ہے کہ لاہور اور لہاور بھی مشہور ہیں۔ لاہور کی عمارتوں کے ضمن میں مسجد وزیر خان، مزار شاہ ابوالمعالی، مزار شاہ حسین اور مقبرۂ جہان گیر کا تذکرہ کیا ہے۔ خط نستعلیق، نا مکمل نسخہ، رقم: ۹۰۲/۷۷

سیر البلاد خادم، مصنّف: سید امام بخش متخلص بہ خادمؔ عظیم آبادی، یہ تین جلدوں میں حجاز، عراق اور ایران کا سفرنامہ ہے۔ مصنّف نے پہلا سفر ۱۲۲۷ھ، دوسرا سفر ۱۲۲۹ھ اور تیسرا سفر ۱۲۳۴ھ میں کیا۔ یہ تینوں

جلدیں ان ممالک کے شہروں اور راستے میں پڑنے والی آبادیوں،راستوں، رسوم و آداب اورلوگوں کے برتاؤ کے بارے میں بیش قیمت معلومات کی حامل ہیں۔ مصنّف نے جزئیات نگاری سے کام لیتے ہوے اسے ایک منفرد سفر نامہ بنا دیا ہے اور یہ لائق اشاعت ہے۔ میں نے تینوں جلدوں سے مفصل یادداشتیں لی ہیں جو کسی علیحدہ مقالے میں پیش کی جائیں گی۔ بخط مصنّف، ۵۵۶ صفحات، رقم: ۹۰۲/۷۸

شرح دیوان عرفی شیرازی، بزبان ترکی، شارح: وہبی افندی، کاتب: درویش صالح ہندی، تاریخ کتابت: ۱۱۱۱ھ، ۲۸۰ صفحات، رقم: ۸۱۱/۲۲۱

کنزالہدایات فی کشف البدایات، **محمد** باقر لاہوری، نستعلیق، عمدہ اور مطلا نسخہ، ۱۳۰ صفحات، رقم: ۲۶۱/۳۰

مثنوی شیخ جیون، مصنّف: ملا احمد جیون یا شیخ جیون، **مثنوی مولانائے روم** کی طرز پر ضخیم مثنوی ہے۔

آغاز دفتر اوّل:

طرفہ قصہ عشق کہ گویم عیان
واشگافم شرح حال دلستان

آغاز دفتر چہارم:

فیض عارف باز چون گشتہ جدید
نوبتِ سفر چہارم در رسید

خاتمۂ مثنوی:

ختم کردم پس برین قصہ کتاب
از سخن گویی بکردم سدّ باب

دفتر سوّم کے آخر میں یہ ترقیمہ موجود ہے: ''تمام شد دفتر ثالث **مثنوی معنوی** تصنیف شیخ جیون بتاریخ دویم شہر ربیع الثانی ۱۲۳۹ھ''، نستعلیق، ۴۵۸ ورق، رقم: ۲۶۱/۳۵

مجالس النفائس، مصنّف: میر علی شیر نوائی، فارسی ترجمہ: حکیم محمد بن مبارک قزوینی[۱۷]، مکتبۂ عارف حکمت کا نسخہ بہت بعد کا ہے اور زیادہ قابل توجہ بھی نہیں ہے۔ رقم: ۹۰۲/۴۹

مطلع سعدین و مجمع بحرین، مصنّف: کمال الدین عبدالرزاق سمرقندی (۸۱۶-۸۸۷ھ)[۱۸]، تاریخ کتابت: غرۂ محرّم ۸۸۴ھ، یعنی مصنّف کے حین حیات، ترقیمہ: ''**تمت الکتاب بعون الملک الوهاب الله الباری حاجی حسین السمنانی غفر ذنوبه و ستر عیوبه فی غرۂ محرم الحرام سنه اربع و ثمانین**

و ثمانمایه•••" (دعائیہ کلمات محذوف)، پہلے دو صفحات پردو بے حد خوب صورت طلائی اور لاجوردی لوحیں، پہلی لوح ،کتاب کے بارے میں ہے اور دوسری لوح ،اس کتب خانہ کے بارے میں ہے جس کے لیے یہ نسخہ کتابت کیا گیا، اس کے بعد جس صفحے سے متن شروع ہوتا ہے وہاں بھی لوح ہے۔ یہ سارا اہتمام اس لیے ہے کہ نسخہ شاہی کتب خانے کے لیے تیار کیا گیا ہے۔ پہلی لوح کی عبارت یہ ہے: "هذه الکتاب التاریخ الموسوم بمطلع السعدین و مجمع البحرین و شرح وقایع و نشربدایع سایر بلاد و دیار و اخبار ملوک نامدار باسم سامی المغفور المبرور السعید شاه رُخ سلطان بن الخاقان الاعظم الافخم المؤید من عندالله الملک السبحان ابوالمظفر تیمور کورکان طاب الله ثراهما و شرف اسلافهما اجمعین الی یوم الدّین". دوسری لوح کی عبارت یہ ہے: "لرسم الخزائن سلطان الاعدل ،افضل قدوۂ ارکان دین و دول، مظهر اسرار الهی و مطلع انوار نامتناهی، ظلّ الله فی الارضین، آیۂ رحمة رب العالمین ،المؤید من الله تع الکریم المنان، مغیث السلطنة الدنیا والدین، ابو الغازی سلطان حسین بهادرخان خلدالله تعالی سلطانه وافاض علی العالمین برّه و احسانه و اعلی فی الخافقین امره و شانه". ظہریہ پر مصنّف کے حالات بخطِ چلپی زادہ اسمٰعیل عاصم مکتوبہ ۱۱۵۳ھ ہیں جو حبیب السیر سے لیے گئے ہیں، یہ نسخہ چلپی زادہ اسمٰعیل عاصم کی تحویل میں رہا ہے۔ نسخے کے چند اور پرانے مالکوں کے دستخط اور یادداشتیں بھی ظہریہ پر رقم ہیں جیسے: ابراہیم پاشا زادہ محمد السعد الحسینی، ابراہیم پاشا بن احمد پاشا مکتوبہ ۱۲۰۴ھ؛ خفی نسخ، عنوانات طلائی، لاجوردی اور شنگرفی رنگوں میں، حاشیہ طلائی اور لاجوردی، رحلی تقطیع، ۴۷۰ صفحات، رقم: ۹۰۲/۹۹

مطلع سعدین و مجمع بحرین☆، دوسرا نسخہ، تاریخ کتابت ۹۱۱ھ، مطلا و عمدہ، نسخ، ۵۳۰ صفحات، رقم: ۹۰۲/۱۰۰

مطلع سعدین کی اگر کبھی دوبارہ اشاعت کا اہتمام ہو تو ان دونوں نسخوں کو یا کم ازکم پہلے نسخے کو بنیاد بنانا چاہیے۔

ملفوظات خواجہ عبید اللہ احرار، مرتّب: میر عبدالاوّل نیشاپوری[۱۹]، آغاز: الحمد لولیه والصلاة علی نبیه؛ تاریخ کتابت: ۱۲۷۰ھ، ترقیمہ: "اتمام شد این کتاب بفرمایش حضرت ولی نعمی ام- سلمه الله تعالی فی الدارین- سنۂ ہزار و دو صد و ہفتاد در پانزدہم شہر ذی القعدہ علی ید العبد الفقیر الحقیر المذنب الراجی الی رحمۃ الملک الهادی- ملاّ اسمٰعیل- غفراللہ ذنوبہ و ستر عیوبہ"؛ نسخہ اس عبارت پر ختم ہوتا ہے: "خود را تمام خلاص ساختم، ہر چند کردند کہ در من تصرّف کنند، نتوانستند۔ تم"۔ آغاز:والحمد لله اولا و آخرا

ظاھرا و باطنا''؛ نستعلیق، پورانسخہ طلائی حاشیے کے ساتھ ہے، پہلے دو صفحات زیادہ خوب صورت ہیں اور ان پر لاجوردی سر لوح اور طلائی نقش و نگار موجود ہیں، ۲۴۸ صفحات، ملفوظات خواجہ احرار کے بعد اسی کاتب نے خواجہ احرار کے پوتے خواجہ محی الدین عبدالحق (م۹۵۶ھ) کا ایک ملفوظ جداگانہ لکھا ہے اس کے بعد مذکورہ ترقیمہ ہے۔ رقم: ۲۶۱/۴۲

نسمات القدس، مصنّف: حاج میرزا مقصود دہبیدی نقشبندی احراری مجدّدی، مصنّف رمضان کے آخری عشرہ، سنہ ۱۲۶۵ھ میں استنبول گئے، یہ سلطان عبد المجید خان بن سلطان محمود خان غازی کا زمانۂ خلافت تھا۔ چند روز وہاں رہے اور وہاں کی خانقاہیں، مدارس اور محلات دیکھے اور شیخ عارف حکمت سے ملاقات کی۔انہوں نے مصنّف کے قیام کا بندوبست مدرسۂ سلطان بایزید خان ولی کے ایک حجرے میں کردیاجہاں بیٹھ کر وہ کتابوں کا مطالعہ کرتے اور انھی کتابوں کی مدد سے ۱۸ ذیقعدہ ۱۲۶۵ھ کو بزرگوں کے حالات جمع کیے اور ان کی پیدایش اور وفات کی تاریخوں کی تحقیق کر کے اس پر اضافہ کیا اور یہ تذکرہ لکھا (خاتمۂ کتاب)۔ مصنّف نے دیباچ میں لکھا ہے: ''مراد از این تألیف و تصنیف بیان حالات و کرامات و خوارق عادات صاحب الطریقہ الاحسنیہ... شیخنا و مولینا حضرت شیخ محمد جان النقشبندی الاحراری المجدّدی است ادام اللہ بقاءٗ... این مجموعہ را **نسمات القدس** نام نہادم''؛ واضح رہے کہ یہ محمد ہاشم کشمی کی اسی نام سے تصنیف **نسمات القدس من حدائق الانس** سے مختلف ہے ہرچند دونوں کتابیں مشائخ نقشبندیہ احراریہ ہی کا تذکرہ ہیں۔مقصود دہبیدی ۱۴شعبان ۱۲۶۰ھ کو مکّہ مکرّمہ پہنچے اور شیخ محمد جان کی خدمت میں گئے، اس وقت شیخ کی عمر ستاسی سال سے تجاوز کر چکی تھی (ورق ۹۴)۔ اگرچہ بقولِ مصنّف اس کتاب کی تصنیف کا بنیادی مقصد شیخ محمد جان النقشبندی الاحراری المجدّدی کے حالات و کرامات بیان کرنا ہے، لیکن مصنّف نے ان کے متعدد پیش رو اور پس رو مشائخ نقشبندیہ و مجدّدیہ کا تذکرہ بھی کر دیاہے۔یہاں مشائخ کے اسماء اسی ترتیب سے لکھے جاتے ہیں جس ترتیب سے ان کے حالات کتاب میں آے ہیں: خواجہ احرار، محمد قاضی سمرقندی، زاہد وخشواری، امیر بخاری، مولانا خواجگی مخدوم اعظم، خواجہ اسلام جویباری، خواجہ محمد امین دہبیدی، خواجہ اسحاق دہبیدی، خواجہ ہاشم صوفی دہبیدی، لطف اللہ حسینی، شیخ خدای داد ولی، قاسم شیخ کرمینگی، درویش محمد امکنگی، خواجگی امکنگی، خواجہ باقی باللہ، شیخ تاج الدین ہندوستانی، خواجہ حسام الدین احمد، شیخ اللہ داد ہندوستانی، شیخ عبدالاحد ہندوستانی، شیخ احمد سرہندی، میاں محمد صادق، محمد سعید سرہندی، شیخ محمد معصوم سرہندی، شیخ عبدالاحد سہرندی [سرہندی] (از نبائر حضرت مجدّد)، محمد عابد سہرندی[سرہندی]، سید محمد محسن ہندوستانی، سید نور محمد بداونی، شمس الدّین حبیب اللہ میرزا جان جانان، خواجہ محمد رضا حصاری القرطاقی، محمد موسیٰ

خان خواجہ دہبیدی، نقابت پناہ ایشان خان خواجۂ دہبیدی، اولیا جان دہبیدی، خلیفہ خدا یار، خلیفہ محمود، خلیفہ حاجی محمد یوسف بخاری، خلیفہ عبدالقیوم، خلیفہ میر جی صاحب سہرندی [سرہندی]، شمس الدین حضرت خلیفہ محمد امین مشہور بہ ایشان، خلیفہ قوزی تاشکندی، خلیفہ میر رحمت شہر سبزی، میاں احمد صاحب زادہ پشاوری، خلیفہ نیازی قلی ترکمان، عطاء اللہ خواجۂ شیخ الاسلام بخاری، شیخ خدای داد خوارزمی، شیخ نیاز جوقماقی بخاری، داملّا سفر بخاری، محمداسلام کرخی الہروی، باغ دارِ خوقندی، فیض خان کابلی، حاجی سیف الدین نقشبندی، خلیفہ محمد حسین، خلیفہ تیمور خان کہنہ تیری البجاوری، شیخ عبداللہ معروف بہ غلام علی شاہ دہلوی، اور ان کے خلفاء: میاں ابو سعید، حضرت خلیفہ محمد جان ادام اللہ بقاہٗ النقشبندی الاحراری المجدّدی المکّی بجاوری الاصل، میرزا رحیم اللہ بیگ ملقب بہ درویش محمد کتابی، مولانا خالد کردی، شیخ عبدالکریم بلخی ادام اللہ بقاہٗ، شیخ عبداللہ آبخور ادام اللہ بقاہٗ، شیخ ولی اللہ دکنی زاد فیوضہ [یہاں تک غلام علی شاہ دہلوی کے خلفاء کے اسماء تھے]، خلیفہ ترکمان خواجہ کشمیری، خلیفہ شریف خواجۂ دہبیدی، ابوالمعانی خواجۂ نمنگانی، سید رشید بلخی، محمد ذاکر خواجہ شیخ الاسلام، مولوی نمنگانی، عبد رحمان مخدوم، ملہ خواجۂ دہبیدی، احمد مخدوم کیشی، موسیٰ خواجہ شیخ الاسلام سیر مجی، قاضی محمد شریف خواجہ بخاری، شاہ رستم خواجہ سمرقندی، دا ملا تاش محمد بوستانی بخاری، دا ملا خواجہ کلان بخاری، عبد ستار ادام اللہ بقاہٗ، محمد کداء کوہستانی ادام اللہ بقاہٗ، خلیفہ خان تورہ خان تاشکندی، شاہ عصمت اللہ نمنگانی، شاہ عصام الدّین ہتروشندی، عبدالرحمان قندوزی، دانا قلی سمرقندی، محمد شریف بلخی، خواجہ نیاز کشمیری، سلیم خواجہ قبادیانی ادام اللہ بقاہٗ، بازجی زادہ محمد چلپی کلبولیکی، بایزید ادرنوی رومی، عمادالدین بغدادی، محمد چلپی زادہ قیطمونی رومی، شاہ قاسم ہواللّٰہی، میرزاعبدالقادر بیدلؔ ہندی (ورق ۱۲۷ الف-۱۲۹ ب)، مصنّف نے بیدل کے بارے میں یہ اطلاع دی ہے: ''وفاتش در تاریخ ہزار و نود یا چیزی کما بیش بودہ، مزار فیض آثار وی درسہرند واقع است!!۔ یزار و یتبرک بہ۔''[۲۰]؛ اس کے بعد خاتمۂ کتاب ہے جس میں تصنیفِ کتاب کی روداد لکھی ہے۔

آغاز: حمد و ثنا معبودی را کہ از ذروۂ سما تاسمک واز بسیط ... اما بعد کمترین... الحاج میرزا مقصود دہبیدی کہ یکی از خادم زادگان طریقۂ علیہ دہبیدیہ و خوشہ چینان پیران نقشبدیہ احراریہ مجدّدیہ است، خواست کہ؛ خط نستعلیق، طلائی جدول، سرلوح، بے حد خوب صورت نسخہ، ۲۶۰ صفحات، رقم: ۹۰۲/۵۰؛ [۲۱]

نوائے خروس، مصنّف: عبدالوہاب بن جلال الدین محمد ہمدانی، تاریخ تصنیف: ۹۳۳ھ (= نوائے خروس)۔ آغاز: لحمد للہ الذی ...چنین گوید گرفتار خواب غفلت و ضائع کنندۂ اوقات بیداری عبدالوہاب بن محمد الہمدانی کہ شمی چون بخت عاصیان سیاہ؛ تاریخ کتابت: ندارد؛ ۱۳ویں صدی ہجری، ورق ۴۵ب۔۵۰ب، رقم: ۱۰ فن مجامیع (رسالہ۳)؛ رجسٹر میں اس کا نام ''رسالہ ادبیہ باللغۃ الفارسیۃ'' لکھا ہے۔اسی مصنّف کی

ایک اہم تصنیف **ثواقب المناقب اولیاء اللہ** کا ذکر آگے آے گا۔

دیگر ذخائر کے مخطوطات

مکتبۂ ملک عبدالعزیز میں دیگر ذخائر میں جو مخطوطات دیکھے یا ان کے کوائف رجسٹر سے نقل کیے، وہ حروف تہجی کی ترتیب سے حسب ذیل ہیں۔ ہر ذخیرۂ مخطوطات کا نام رقم کے بعد قوسین میں لکھ دیاہے۔ جن مخطوطات کے کوائف رجسٹر سے لیے گئے ہیں اور نسخہ دیکھنے میں کامیابی نہیں ہوئی ان پر ستارے ☆ کی علامت لگا دی گئی ہے۔ ضروری نہیں کہ ایسے تمام کوائف صحیح ہوں۔ ذخیرۂ محمودیہ میں ان سندھی مصنّفین کی عربی تصانیف بکثرت موجود ہیں جو سندھ سے مدینہ منوّرہ ہجرت کر آے تھے۔ اگر مدینۂ منوّرہ کے کسی زائر کو فرصت اور دل جمعی ہو تو ایک خاص فہرست سندھی مصنّفین کے نسخوں کی تیار ہوسکتی ہے۔مکتبہ میں ایک روز کراچی کے ایک سندھی زائر ملے جو کسی کی فرمائش پر کسی سندھی مصنّف کے مخطوطے کا عکس لینے کے لیے آئے تھے اور پریشان تھے۔میں نے اپنے تجربے کی روشنی میں ان کی راہ نمائی کی تو عکس لینے میں کامیاب ہوگئے۔

اویسیہ☆، مصنّف: مخدوم محمد معین تتوی، رسالہ حیدر آباد سند سے شایع ہو چکا ہے؛ بلا تاریخ، رقم: ۲۶۲۸/مجموعہ (محمودیہ)

تحفۃالفحول فی الاستغاثۃ بالرسول☆ (عربی)، مصنّف: محمد ایوب محمد پشاوری، نسخ، رقم: ۱۹۱۲ (محمودیہ)

تراجم الخواجہ محمد معصوم☆، مصنّف: محمد معصوم المجد [کذا]، بلا تاریخ، رقم: ۱/۱۶۰ (القازانیہ) نسخہ طلب کرنے پر کتابدار نے بتایا کہ فن مجامیع شمارہ ۱۶۰ کے نسخے ذخیرۂ عارف حکمت میں بھیج دیے گئے ہیں، وہاں سے نسخہ مانگا تو وہاں کے کتاب دار نے بتایا کہ ذخیرے میں اس شمارے کے تحت ایسا کوئی رسالہ نہیں ہے!میں یہ نسخہ یہ اطمینان کرنے کے لیے دیکھنا چاہتا تھا کہ آیا یہ **مقامات معصومی** کا کوئی حصّہ ہے[۲۲]؟

ثواقب المناقب اولیاء اللہ☆، ترکی ترجمہ، مصنّف: عبدالوہاب بن جلال الدین محمد ہمدانی[۲۳]، مترجم: درویش محمود مثنوی خوان قونیوی، تاریخ ترجمہ: ذیقعدہ ۹۹۸ھ، رقم: م د/۹۹۹ (ساقزلی)

حاشیہ عبد الحکیم سیالکوتی علی الرسالۃ القطبیہ☆ (عربی)، تاریخ کتابت: ۱۰۵۷ھ، نسخ، رقم: ۲۴۱۵ (محمودیہ)

حکایت بوعلی سینا، ترکی زبان میں بوعلی سینا کے بارے میں کوئی خیالی قصہ ہے، آغاز: راوی شیرین

کلام ایلہ روایت ایدریکیم مغرب دیارندہ، ۴۷ ورق، ۱۹ سطر، رقم: ۹۶۰ (الشفا)

عوارف المعارف☆(عربی)، مصنّف: شیخ شہاب الدین سہروردی، تاریخ کتابت: ۷۸۹ھ، نسخ، رقم: ۱۵۸۳ (محمودیہ)

فتاوی عالم گیری☆ (عربی)، تاریخ کتابت: ۱۱۰۹ھ، نسخ، چار جلدوں میں، رقم :۱۰۹۱ تا۱۰۹۴ (محمودیہ)

کنز العمال☆ (عربی)، **مصنّف**: شیخ علی متقی، تاریخ کتابت: ۹۶۲ھ، خوب صورت نسخ، رقم: ۴۴۳ (محمودیہ)

کنز العمال، دوسرا نسخہ، تاریخ کتابت: ۹۶۶ھ، خوب صورت نسخ، رقم: ۴۴۴ (محمودیہ)

مجموعۂ رسائل عربی ☆،اس مجموعے کے کچھ رسائل کے نام: **القول الفصل فی الاجل** (عربی) مؤلفہ عبدالرحیم شہید سندھی؛ **وھبات الزبیر فی بیان سلوک الطریق الاربعۃعشر** (عربی) مؤلفہ بعضی خلفاے شیخ محمد زبیر مجدّدی، تاریخ کتابت: ۱۱۸۱ھ، رقم: ۲۵۹۱ (محمودیہ)

مجموعۂ رسائل عربی☆ اس میں سندھی مصنّفین کی حسب ذیل تصانیف موجود ہیں: **التبیان للزجر عن شرب الدخان** مولفہ محمد حسین انصاری سندھی؛ **الاستدراک للادراک** مولفہ مخدوم عبدالواحد سیوستانی؛ **رسالہ مفصلہ فی حکم شرب الدخان** مولفہ شیخ محمد حیات سندھی، رقم: ۲۶۸۲

مثنوی معنوی، مصنّف: جلال الدین محمد بلخی رومی، تاریخ کتابت: ۷۷۰ھ، ترقیمہ: ''**تمت کتابة کتاب المثنوی الٓهی الیر۰۰۰**(پارہ شدہ) **شهر الله رجب الاصب سنه سبعین سبعمائة علی ید العبد الحقیر الرّاجی الی رحمة ربّه الغنی القدیرمحمد بن عیسی الحافظ ا لمولوی القونوی عفاالله عنه ولولدیه ولجمیع المسلمین اجمعین برحمتک یا ارحم الرّاحمین**''، نسخہ ناقص الاوّل ہے اور دفتر سوم کے اس بیت سے شروع ہوتا ہے: ہر کہ دور از حالت ایشان بوذ؛ اختتام نسخہ: در دل من آن سخن زان میمنہ ست/زانک از دل جانب دل روزنہ ست (دفترششم)؛ اس کے بعد اسی کاتب نے اگلے صفحہ پر سلطان ولد کی مثنوی کے اشعار لکھے ہیں، عنوان یہ ہے: ''این ابیات از آن حضرت سلطان المحققین ولد ست قدسنااللہ بسرّہ المویّد الموبّدآمین یا ربّ العالمین''، مطلع:

مدتی زین مثنوی چون والدم
شد خمش گفتش ولد کای زندہ دم

خاتمہ:

آب جان را ریز اندر بحر جان
تاشوی دریای بی حدّ وکران

ظہریہ پر یہ یادداشت ہے: ''ھذہ الکتاب المسمی **بمثنوی** من تصنیفات حضرت مولانای رومی قدس سرّہ العزیز وقف مخصوص بزاویہ حضرت مولانا بہاء الدین نقشبندی فی المدینۃ المنوّرۃ''، مہر: ''وقف مدرسۃ بشیر آغا، باب السلام''، قدیم خط نسخ، دال کو ذال کتابت کیا ہے، چار کالمی، رحلی تقطیع، ۱۶۰ ورق، رقم: ۲۳۹/۸۵ (بشیر آغا)

مثنوی معنوی، دوسرا نسخہ اسی کاتب کے قلم سے، تاریخ کتابت: ۷۸۷ھ، ترقیمہ: ''**اتّفق الفراغ من کتابۃ کتاب المثنویّات الھادیات الی سُبل النجات المنقذات من درکات المھلکات والموصلات الی الدّرجات العالیات و مرضات ربّ الارض والسموات یوم الجمعہ فی اوایل شھر اللہ الحجّہ ذی الحجّہ لحجّہ سبع و ثمانین و سبعمایہ علی ید العبدالحقیر الفقیر الراجی الی رحمۃ ربّہ الغنی القدیر محمد بن عیسی الحافظ المولوی القونوی عاملہ اللہ بلطفہ الخفی و غفرلہ والوالدیہ ولجمیع المؤمنین والمؤمنات برحمتک یا ارحم الراحمین**''، نسخے کا مقابلہ کرنے والے نے ترقیمہ کے اطراف میں یہ رباعی لکھی ہے:

آغاز مقابلہ بہ انجام رسید
جان را چہ شرابھا کزین جام رسید
پیش از اجل ای صدر اجل شرح ازل
المنۃ للّہ کہ باتمام رسید

اسی جگہ یہ مہر بھی ثبت ہے: ''وقف کتبخانہ مدرسہ محمودیہ فی المدینۃ المنوّرہ ۱۲۳۲''

آغاز (رائج نسخوں سے قدرے مختلف):

بشنو این نی چون شکایت می کند
از جداییھا حکایت می کند

خاتمہ:

آب جان را ریز اندر بحر جان
تاشوی دریای بی حدّ وکران

خط نسخ، عنوانات شنگرفی، اعراب کا اہتمام کیا گیا ہے، ،کاتب نے بکثرت ایسے الفاظ الف ممدودہ سے لکھے ہیں جنہیں موجودہ املا ء میں الف ممدودہ نہیں لکھا جاتا، مثلاً: بآخواص خویش از بهر شکآر، یک کنیزک دید شه بر شآه رآه، دست بکشآد و کنآر آتش گرفت، ترقیمہ کے بعد اگلے صفحہ پر کاتب نے مولانا کا وصیت نامہ نقل کیا ہے[۲۴] اور **مثنوی** کے ہر چھ دفتر کے اشعار کی تعدادالگ الگ بتائی ہے دفتراوّل: ۴۰۴۰ بیت، دفتردوم: ۳۸۲۴بیت، دفترسوم: ۴۸۵۶بیت، دفترچہارم: ۳۸۷۰بیت، دفتر پنجم: ۴۲۵۳ بیت، دفتر ششم: ۴۹۶۷ بیت؛ دیوان کے اشعار کی تعداد ۳۳۷۱۰بیت، مولانا، سلطان ولد، چلپی حسام الدین، چلپی عارف کی تواریخ ولادت و وفات لکھی ہیں؛ چار کالمی، ہر شش دفتر مکمل، رقم: ۲۹۷۱ (محمودیہ)

اسی کاتب یعنی محمد بن عیسی الحافظ المولوی القونوی کا کتابت کردہ **مثنوی معنوی** کا ایک مخطوطہ کتب خانۂ آیت اللہ مرعشی نجفی، قم [شمارہ: ۱۳۲۶۳/۱ مجموعہ] میں بھی موجود ہے۔[۲۵] اس نسخے کی تاریخ کتابت رجب ۷۹۵ھ ہے یعنی مدینۂ منوّرہ کے مذکورہ بالا دونوں نسخوں سے قدرے بعد کا ہے۔ قم کے نسخے کے ترقیمہ کی عبارت بالکل ویسی ہی ہے جیسے مدینہ کے نسخۂ دوم کی، سوائے تاریخ کتابت کے۔ نسخۂ قم کا ترقیمہ یہ ہے: "**اتّفق الفراغ من کتابة کتاب المثنویّات الهادیات الی سُبل النجات المنقذات من درکات المهلکات والموصلات الی الدّرجات العالیات و مرضات ربّ الارض والسموات یوم الجمعه فی اوایل شهر الله رجب الاصب سنه خمس و تسعین و سبعمایه علی ید العبدالحقیر الفقیر الراجی الی رحمة ربّه الغنی القدیر محمد بن عیسی الحافظ المولوی القونوی عامله الله بلطفه الخفی و غفرله والوالدیه ولجمیع المؤمنین والمؤمنات الاحبآ منهم ولرسول برحمتک یا ارحم الراحمین آمین۰۰۰**" اس نسخے میں بھی ترقیمہ کے اطراف میں وہی رباعی لکھی ہے جونسخۂ مدینہ میں ہے ، یعنی:

آغاز مقابله به انجام رسید
جان را چه شرابها کزین جام رسید
پیش ازاجل ای صدر اجل شرح ازل
المنةلله که باتمام رسید

قم کا نسخہ دفتر اوّل سے شروع ہوتا ہے اوردفتر ششم کے اس شعر پرختم ہوتا ہے:

در دل من آن سخن زان میمنہ ست
زانک از دل جانب دل روزنہ ست

اس نسخہ کے رسم الخط کی تمام خصوصیات وہی ہیں جو مدینہ کے نسخوں کی ہیں، ۲۸۴ ورق۔

المُغرب فی ترتیب المعرِب☆ (عربی)، مصنّف: ابوالفتح ناصرالدین مطرزی (۵۳۸-۶۱۰ھ) کتاب بہ اہتمام محمود فاخوزی و عبد الحمید مختار، مطبعۃ النجمۃ، حلب (شام) سے شائع ہو چکی ہے، اسی کا عکس ادارہ دعوۃ الاسلام، کراچی نے شایع کیاہے۔ عربی لغت ہے، تاریخ کتابت: ۷۳۰ھ، نسخ، رقم: ۲۰۸۶(محمودیہ)

والدیہ، ترکی ترجمہ، مصنّف: خواجہ عبیداللہ احرار، مترجم نامعلوم، آغاز: ھذہ والدیہ حضرت خواجہ عبیداللہ الاحرار النقشبندی قدس سرّہ، بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، حمد شول اللہ عظیم الشان حضرتلرینہ کہ احد در ذاتیلہ و کبریا سیلہ، بلاتاریخ، بلا کاتب، نسخ، مجموعہ میں، ورق ۱۴ب-۲۵ الف، رقم: ۲۲۵/۷۱ (بشیر آغا)

وصایا☆ (فارسی)، مصنّف: زین الدین خوافی، رقم: ۲۶/۷۱مجموعہ (محمودیہ)

مکتبۂ مسجد نبوی شریف

مسجد نبوی شریف میں باب عمرؓ اور باب عثمانؓ کے ساتھ مکتبۃ المسجد النبوی الشریف واقع ہے۔ قسم المخطوطات بابِ عثمان میں ہے۔ نیچے کی دو منزلوں پر مطبوعہ کتابیں رکھیں ہیں۔ تنگ سیڑھیاں چڑھ کر تیسری منزل پر جائیں تو اوپر شعبۂ مخطوطات واقع ہے۔ عمارت اور کمرے چھوٹے ہیں۔ اس شعبے کی دیواروں پر مخطوطات کے عکسی صفحے بڑے کر کے، وصلیاں، سامانِ کتابت، مدینۂ منوّرہ اور مکۂ مکرّمہ کے پرانے نقشے وغیرہ لٹکائے گئے ہیں۔مسجد نبوی کے عام زائرین جو اوپر آتے ہیں،یہی چیزیں دیکھ کر واپس چلے جاتے ہیں۔ ایک کمرے میں کتاب دار کا دفتر ہے۔ ایک کمرے میں مخطوطات کے عکسیات مجلد کروا کر رکھے گئے ہیں تاکہ رجوع کرنے والوں کو نسخہ دیکھنے کی ضرورت پیش نہ آے۔ ایک بند کمرے میں مخطوطات رکھے ہیں جو مقفّل رہتا ہے۔ میں کتاب دار کے دفتر پہنچا تو اس کا چپڑاسی کوئی بنگالی تھا جو اردو سمجھتا تھا۔ اسے بتایاکہ میں مخطوطات دیکھنا چاہتا ہوں، اس نے ایک بند کمرے کی طرف جانے کا اشارہ کیا اور کہاں کہ وہاں سے مخطوطات کا طلب شمارہ (**Call No.**) لکھ کر دوبارہ کتاب دار کے پاس آو۔ میں اس بند کمرے میں گیا تو وہ در اصل ایک چھوٹی سی راہ داری تھی جسے فہرست خانہ (**Catalogue Room**) بنا دیا گیا ہے۔ اس کی کھڑکیاں مسجد نبوی کے دالان کی طرف کھلتی ہیں اور وہاں بیٹھ کرنیچے مسجد کے اندرون کا منظر صاف نظر آتا ہے۔ مجھے اس کمرے میں کمپیوٹر اور رجسٹر رکھے نظر آے۔ جن کی مدد سے آپ اپنی مطلوبہ کتاب کا نمبر یا بنیادی کوائف دیکھ سکتے

ہیں۔ رجسٹر انواع و اقسام کے تھے اورسب کے سب کمپیوٹرسے ٹائپ شدہ تھے۔حسب ذیل رجسٹر راہ نمائی کے لیے مو جود تھے:

۱۔ **فہرس مخطوطات مکتبۃ المسجد النبوی الشریف**، ۷۷۷ صفحات، اس میں متعدد اشاریے بھی ہیں: کشاف ابجدی لعناوین، کشاف ابجدی لاحالات العناوین، کشاف ابجدی للمؤلفین، کشاف مصادر توثیق۔

۲۔ **فہرس المصوّرات المفردۃ و المجامیع بمکتبۃ المسجد النبوی الشریف**، ۴۲۰ صفحات۔

۳۔ **فہرس مجامع المخطوطات الاصلیۃ (۱۵۱۔۲۰۰) مکتبۃ المسجد النبوی الشریف**، یہ ہاتھ سے لکھا ہوا ہے، اس میں مائیکروفلموں کے شمارے بھی ہیں۔

۴۔ **کشف بالمخطوطات المصورۃ المکبّرۃ۔**

میں نے رجسٹروں کی ورق گردانی کی تو ایک بات صاف نظر آئی۔ یہاں فارسی مخطوطات بہت کم ہیں اور عربی مخطوطات بھی زیادہ تر دینی موضوعات پر ہیں۔ جو چند ایک کتابیں مجھے اپنی دل چسپی کی معلوم ہوئیں اور انھیں دیکھ پایا، ان کی تفصیل اس طرح ہے:

تراجم مشائخ (عربی)، مصنف: محمد عابد بن یعقوب سندھی، آغاز: **الفصل الثانی فی ذکر مشایخھم و احوالھم احمالا فاما شیخنا العارف باللہ العلامہ النحریرالشیخ یوسف بن محمد بن علاء الدین المزجاجی**؛ اس کتاب میں زیادہ تر ''مزجاجی'' نسبت رکھنے والے مشائخ کا تذکرہ ہوا ہے۔''سندھی'' نسبت رکھنے والے ان علماء/مشائخ کے حالات دیکھے: شیخ محمد حیات سندھی، علامہ ابوالحسن بن محمد صادق سندھی؛ تاریخ کتابت ۱۳۱۴ھ، ۳۵ ورق، رقم (عکسی): ۹۲۰/۳۴ (اصل مخطوطہ مکتبۃ الحرم المکی الشریف، رقم: ۸۷/تراجم میں ہے)

مجموعہ:

۱۔ **تاریخ ملاّ زادہ (مزارات بخارا)** فارسی، مصنّف: احمد بن محمود **مدعو** بمعین الفقراء[۲۶]

۲۔ **احوال اکابر دیار بلخ** (فارسی)، مصنّف: محمد صالح ندایی بن امیر عبداللہ بن امیر عبدالرحمان بن شیخ خلیل اللہ اور سنجی بدخشی؛ یہ وہی مصنّف اور کتاب ہے جس کا ذکر احمد منزوی نے ایک جگہ **احوال اکابر بلخ** اور دوسری جگہ **رسالۂ بلخیہ** لکھ کر کیا ہے[۲۷]۔ ان دونوں اندراجات میں مصنّف کی نسبت یا تخلص ''ندایی '' کا ذکر نہیں ہوا۔ منزوی نے ایک اور مقام پر محمد صالح ندایی سمرقندی اور اس کی کتاب **عبداللہ نامہ** (در تاریخِ عبداللہ خان ازبک بلخ) کا ذکر کیا ہے[۲۸]۔ ہمارے نسخے میں ''ندای / اور سنجی/ بدخشی'' موجود ہے لیکن سمرقندی نہیں ہے۔ منزوی نے **احوال اکابر بلخ** کے صرف ایک نسخے (دانشگاہ

تہران) کا ذکر کیا ہے، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ماوراء النہر سے باہر اس کتاب کے نسخے بہت کم یاب ہیں۔ یہ کتاب بلخ کے والی عبدالمومن خان (حکومت: ۱۰۰۶-۱۰۰۷ھ) بن عبداللہ خان [بن] سکندر سلطان کے حکم پر تصنیف ہوئی۔ کتاب کے دوسرے حصّے میں مصنّف نے **فضایل بلخ**[۲۹] کی طرز پر بلخ کے ستّر مشایخ کا شمارہ وار ذکر ہے: ''اکنون شروع بدان ہفتاد نفر ستودہ سیر کنم کہ مردم بلخ در وجود شان افتخار و مباہات می کردند و ہر یکی رابہ تفصیل نام بردہ شودتا کمال ایشان بہ ناظران این نسخہ روشن ترشود''؛ خط معمولی اور مغلوط ہے، تاریخ کتابت: ۲ صفر۱۳۲۷ھ، ۸۶ ورق، رقم: ۸۰/۱۸۴ (مخطوط)

حواشی

۱۔ پاکستان میں مخطوطات کے ماہر فہرست نویس ڈاکٹر خضر نوشاہی اور ہمارے ایک اور عزیز حکیم مستفیض احمد نوشاہی بھی شریک سفر تھے۔ میرے بتانے پر ایک روزوہ دونوں بھی ملک عبدالعزیز کتب خانہ، مدینہ منوّرہ دیکھنے آے۔

۲۔ جن فضلاء نے یہ فہرست تیار کی ہے وہ فارسی اور ترکی سے نابلد ہیں، ترکی کو فارسی اور فارسی کو ترکی کتابیں سمجھ کر فہرست کیا ہے۔ فارسی کی عبارتیں غلط سلط نقل کی ہیں، مثلاً اندراج ۱۵۶۳ کے تحت **دیوان حافظ شیرازی** بخط عبدالرحمان الجامی مکتوبہ ۹۸۶ھ دکھایا گیاہے، ۳۰ورق، رقم: ۵۲/۲۰۶۔ اگر یہ نسخہ مولانا جامی (م ۸۹۸ھ) کا لکھا ہوا ہے تو ان کا زمانہ ایک سو سال پہلے کا ہے اور سالِ کتابت ۸۸۶ھ قرین صحت ہے۔ وقت کی قلت کے باعث مَیں نسخہ نہیں دیکھ سکا۔ فہرست کے مطابق اس نسخے کا آغاز: ''کہ عشق آسان نمود اوّل ولی افتاد مشکلہا'' اور اختتام: ''عجب گر آتش این زرق در دفتر نمی گیرد'' پر ہوتا ہے۔ دیوان کے مطلع کا مصرع ثانی فہرست نویسوں نے ''کم عشق آسان نہود اُول دلی افتاد مسکلہا'' اور اختتامی مصرع ''عجب آتش این ذوق در دفتر نمی کرد'' نقل کیا ہے جس سے ان کی فارسی دانی معلوم ہے!

۳۔ **ھدیۃ العارفین**، بیروت، بلا تاریخ [طبع استنبول ۱۹۵۱ء کا عکس] ج ۱، ص۱۸۸ بذیل ''احمد عارف حکمت''۔

۴۔ **الاعلام**، بیروت، ۱۹۹۰ء، ج۱، ص۱۴۱، بذیل ''احمد عارف حکمت''، متن میں سال ولادت ۱۲۰۰ھ اور حاشیے میں ۱۲۰۱ھ دیا ہے۔

۵و۶۔ **سیرالبلاد خادم** کی تینوں جلدوں پر ورق شمار نہیں ہے اس لیے بطور حوالہ ورق نمبر دینا ممکن نہ ہو سکا۔

۷۔ قارئین کی مزید اطلاع کے لیے لکھا جاتاہے کہ ۲۰۰۵ء میں **اخبارالاخیار** مرتّبہ ڈاکٹر علیم اشرف خان، انجمن آثار و مفاخر فرہنگی، تہران شائع ہوئی ہے۔ اب تک اس کتاب کے ہندوپاک سنگی اور لیتھو ایڈیشن ملتے تھے لیکن ایرانی ایڈیشن خوبصورت کمپیوٹر ٹائپ سیٹنگ پر ہے اور اس میں اشاریے بھی ہیں۔

۸۔ فارسی متن مع اردو ترجمہ بہ اہتمام پروفیسر محمد اقبال مجدّدی، ۱۹۸۱ء مکتبۂ سراجیہ احمد یہ، موسیٰ زئی شریف، ضلع ڈیرہ اسمٰعیل خان سے شائع ہو چکا ہے۔

۹۔ **سلک الدررفی اعیان القرن الثانی عشر**، طبع بولاق، ۱۳۰۱ھ، جلد۳، ص۲۶۰-۲۶۲

۱۰۔ **نزھۃ الخواطر وبھجۃ المسامع و النواظر**، طبع حیدرآباد دکن، ۱۳۷۶ھ، ج۶، ص۱۹۰-۱۹۱

۱۱۔ **ھدیۃ العارفین**، ص۶۶۷

۱۲۔ ایضاً، ص۶۶۷

۱۳۔ **فھرست مخطوطات دارالکتب الظاھریہ** (قسم التصوّف)، تألیف محمد ریاض مالح، دمشق، ۱۹۷۸ء، جلد۱، ص۳۲-۷۷

۱۴۔ ایضاً، ج۲، ص۸۴؛ ترکی اور شام میں مخطوطات کی اس اطلاع کے لیے ڈاکٹر نجدت طوسون، استاد دانشکدۂ الہیات، مرمرا یونی ورسٹی، استنبول کا شکر گذار ہوں۔

۱۵۔ مثلاً محمد مراد کے لیے: ج۴، ص۱۲۹۔۱۳۰؛ محمد بہا الدین کے لیے: ج۴، ص۱۱۴۔۱۱۵؛ علی مرادی کے لیے: ج۳، ص۲۲۰۔۲۲۸؛ میں ڈاکٹر نجدت طوسون کا مکرر شکر گذار ہوں کہ انہوں نے اس مأخذ سے یہ **معلومات** بہم پہنچائیں۔ **مقامات معصومی** مؤلفہ میر صفر احمد معصومی میں خواجہ محمد معصوم کے خلفاء کے ضمن میں شیخ محمد مراد شامی کا ذکر موجود ہے (طبع لاہور، ۲۰۰۴ء، ج ۲، ص ۶۰۹۔۶۱۱؛ ج ۳، ص۴۶۹۔۴۷۰)۔ کتاب کے فاضل مرتّب پروفیسر محمد اقبال مجدّدی نے تعلیقات (ج۴، ص۳۶۶۔۳۷۱) میں مصنّف کے بعض تسامحات کی نشان دہی ہے اورشیخ مراد اور ان کے خاندان پر قیمتی معلومات کا اضافہ کیا ہے۔

۱۶۔ مدینہ کے مخطوطات دیکھنے والے ایرانی فہرست نویسوں نے اس کتاب کا نام **تراجم المشائخ المذکورین فی السلسلۃ المجدّدیہ** لکھا ہے۔ نام سے گمان ہوتاہے کہ کتاب عربی میں ہے، اسی لیے میں نے اپنی کتاب **احوال و سخنان خواجہ عبیداللہ احرار** (طبع تہران، ۱۳۸۰ش) کے ضمیمہ (ص ۴۹۱) میں سہوا اسے عربی کتابوں کے ضمن میں درج کیا ہے۔ اب کتاب دیکھی تو معلوم ہوا کہ یہ فارسی میں ہے۔

۱۷۔ یہ ترجمہ بہ اہتمام علی اصغر حکمت، انتشارات منوچہری، تہران ۱۳۶۳ش چھپ چکا ہے۔

۱۸۔ **مطلع سعدین** اب تک دو بار چھپ چکی ہے پہلی دفعہ بہ تصحیح مولوی محمد شفیع (۱۸۸۳۔۱۹۶۳ء) اور دوسری دفعہ بہ اہتمام ڈاکٹر عبد الحسین نوایی (۱۳۰۴۔۱۳۸۴ش)۔ مولوی محمد شفیع کا ایڈیشن صرف جلد دوّم پر مشتمل ہے اور یہ تین حصّوں میں اس ترتیب کے ساتھ چھپا ہے:

-جلد دوّم، جزء اوّل (وقایع ۸۰۷ تا ۸۳۲ھ): مطبع گیلانی، لاہور، طبع اوّل، ۱۳۶۳ھ/۱۹۴۴ء، طبع دوّم: ۱۳۶۵ھ/۱۹۴۶م، اور اس کا بقیہ مطبوعہ پاکستان پرنٹنگ ورکس، لاہور، ۱۳۸۳ھ/۱۹۶۳ء؛

-جلد دوم، جزء دوم و سوم (وقایع ۸۳۳تا ۸۷۵ھ): باتتمۂ حواشی و فرہنگ الفاظ ترکی و مغولی مطبع گیلانی، لاہور، ۱۳۶۸ھ/۱۹۴۹ء؛ ڈاکٹر نوایی کا ایڈیشن جلد اوّل و دوّم پر مشتمل اور اس ترتیب سے چھپاہے :

-جلد اوّل :اس ایڈیشن کے سرورق پر کسی جزء یا دفتر کی صراحت نہیں ہوئی اور اسے کتابخانۂ طہوری، تہران نے ۱۳۵۳ش میں شائع کیا۔ یہ دراصل جلداوّل، دفتر اوّل ہے اور وقایع۷۰۴تا۷۷۲ھ پر مشتمل ہے۔ اسی جلد کو بغیر دفتر کی صراحت کے دوسری دفعہ مؤسسۂ مطالعات وتحقیقات فرہنگی (پژوہشگاہ)، تہران نے ۱۳۷۲ ش میں شائع کیا۔

-جلد اوّل، دفتر دوّم (وقایع۷۷۲ تا ۸۰۷ھ): ناشر: پژوہشگاہ علوم انسانی و مطالعات فرہنگی، تہران،۱۳۸۳ش؛

-جلد دوم ،دفتر اوّل (وقایع۸۰۷تا۸۵۰ھ)، وہی ناشر، ۱۳۸۳ش ؛

-جلد دوم، دفتر دوّم (وقایع۸۵۱تا۸۷۵ھ)، وہی ناشر،۱۳۸۳ش ؛

ڈاکٹر نوایی نے جلد دوم، دفتر اوّل میں دیباچہ کے طور پر ''چند کلمہ بر سبیل اعتذار'' لکھے ہیں (صفحۂ پنج تا چہاردہ)۔ جس میں مولوی محمد شفیع کے حالات اور ان کی مرتّبہ **مطلع سعدین** کی تعریف و توصیف کی گئی ہے۔ ڈاکٹر نوایی نے اس ''اعتذار'' میں اعتراف کیا ہے کہ ان کے اہتمام سے شائع کی جانے والی جلد دوّم دراصل مولوی محمد شفیع کے چھاپے کی ہو بہو نقل ہے اور مولوی شفیع کی تعلیقات کو بھی بلا کم وکاست شامل کیا گیا اور انہوں نے اپنے طرف سے کوئی چیز نہیں بڑھائی۔''بہ ہمان انشاء و املای او و ہمراہ آن منابع و مآخذ و لغت نامہ

ترکی و مغولی وی را بی کم و کاست آوردم و ہرگز از خود چیزی برآن نیفزودم' (ص :نہ)۔ یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے اگر یہ مولوی محمد شفیع ہی کے کام کی تجدید اشاعت ہے تو سرورق پر ڈاکٹر نوایی کا نام کیوں اور مولوی محمد شفیع کا نام کیوں نہیں؟

۱۹۔ اس کتاب کا متن مع حالات جامع ملفوظات و تعلیقات راقم السطور کے مرتبّہ **احوال و سخنان خواجہ عبیداللہ احرار،** طبع تہران، ۱۳۸۰ش میں شامل ہے۔

۲۰۔ بید ل کے سال وفات ۱۱۳۳ھ پر سب کا اتفاق ہے اور ان کا مزار دہلی میں ہے۔ مصنّف نے اس سلسلے میں جو معلومات بہم پہنچائی ہیں اس سے قیاس ہوتا ہے کہ ان کے سامنے کوئی مستند مأخذ نہیں تھا اور انہوں نے کسی سنی سنائی بات پر اعتماد کیا ہے۔

۲۱۔ رجسٹر میں کتاب کا نام **تراجم مشائخ الاحراریہ المجدّدیہ** درج ہوا ہے اور یہی نام ایرانی فہرستوں میں منتقل ہوا ہے۔ نام سے گمان ہوتا ہے کہ کتاب عربی میں ہے، اسی لیے میں نے اپنی کتاب **احوال و سخنان خواجہ عبیداللہ احرار** (طبع تہران،۱۳۸۰ش) کے ضمیمہ (ص ۴۹۱) میں سہوا اسے عربی کتابوں کی فہرست میں درج کیا ہے۔ اب کتاب دیکھی تو بات صاف ہوئی کہ یہ فارسی میں ہے۔

۲۲۔ پروفیسر محمّد اقبال مجدّدی نے **مقامات معصومی** پر اپنے مقدّمہ (ج۱، ص۳۷۷) میں **مقامات معصومی** کے ایک نسخہ رباط مظہر،مدینۂ منوّرہ کاایرانی فہرستوں کے حوالے سے کیا ہے۔ یہ رباط اور مکتبۂ عارف حکمت (قدیم عمارت) توسیع حرم نبوی کے دوران حرم کی حدود میں آ گئے تھے۔ مجدّدی صاحب کو سفر مدینہ کے دوران اس رباط کا سراغ نہیں ملا اور وہ نسخہ بھی نہ دیکھ سکے۔ دانش پژوہ نے اس نسخے کا نمبر ۱۵۲ درج کیا ہے۔

۲۳۔ **ثواقب المناقب اولیاء اللہ** دراصل شمس الدین احمد افلاکی کی **مناقب العارفین** کی تلخیص ایک جدید ترتیب کے ساتھ ہے۔ اس کتاب اور اس کے مصنّف پر دیکھیے میرامضمون: ''ثواقب المناقب اولیاء اللہ: مأخذی فراموش شدہ دربارۂ مولانا و مولویّہ''، مشمولہ مقالات عارف، تہران، ۱۳۸۱ش/۲۰۰۲ء، ص۸۳۔۹۹

۲۴۔ یہ وہی وصیّت نامہ ہے جو افلاکی (م ۷۶۱ھ) نے **مناقب العارفین** میں اور جامی نے **نفحات الانس** میں مولانا رومی کے حالات کے ضمن میں درج کیاہے۔ ہمارے نسخے کی روایت قدامت کے باعث **مناقب العارفین** کی روایت کے ہم دوش ہے۔

۲۵۔ **فہرست نسخہ ہای خطی کتابخانۂ بزرگ حضرت آیۃ اللہ العظمی مرعشی نجفی،گنجینۂ جہانی مخطوطات اسلامی، ایران۔ قم،** از سید محمود مرعشی نجفی باہمکاری میر محمود موسوی، قم، ۱۳۸۴ش/۲۰۰۵ء، ج۳۳، ص۴۶۸۔۴۶۹ نسخے کا تعارف؛ ص۹۰۸ نسخے کے آخری صفحے کا عکس۔مثنوی شریف کا ایک اور مخطوطہ جس کی تاریخ کتابت ۱۰ ربیع الاوّل۷۹۸ھ ہے، کتب خانۂ مرعشی، قم [شمارہ ۱۳۲۵۱] میں موجود ہے۔ اس نسخے کا کاتب ابراہیم الملقب شیخ چہ بن اسحاق بن ابراہیم الترابی ہے (ایضا، ص۴۶۸۔۴۶۹، ۸۹۵ تصویر)۔

۲۶۔ **تاریخ ملا زادہ** بہ اہتمام احمد گلچین معانی، انتشارات کتاب خانۂ ابن سینا تہران، ۱۳۳۹ش چھپ چکی ہے۔

۲۷۔ **فہرستوارہ ٔ کتابہای فارسی،** انجمن آثار و مفاخر فرہنگی، تہران، ۱۳۷۶ش، جلد۳، ص ۱۹۸۰؛۲۱۴۳

۲۸۔ ایضا، جلد۲، ص ۱۰۲۸

۲۹۔ **فضائل بلخ،** تألیف ابوبکر عبداللہ بن عمر بن محمد بن داوٗد واعظ بلخی،ترجمۂ عبداللہ محمد بن محمد بن حسین حسینی بلخی، بہ تصحیح وتحشیہ عبد الحی حبیبی، انتشارات بنیاد فرہنگ ایران، تہران، ۱۳۵۰ش

مدینۂ منوّرہ کے چند مخطوطات کی تصاویر